

اسمعیلیہ

— اور —

عقیدہ امامت

— کا —

معارف

تاریخی نقطہ نظر سے

از: سید تنظیم حسین

— ناشر —

سوادِ اعظمِ اہلسنت

کراچی - پاکستان



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِیْقِ الْإِسْلَامِیِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

اسْمَاعِیلِیہ

—اول—

عَقِیدۂ اِمامت

—کا—

معارف

تاریخی نقطہ نظر سے

از: سید تنظیم حسین

www.KitaboSunnat.com

ناشر

سَوَادِ اعْظَمِ اَہْلِ سُنَّت

کراچی - پاکستان

باسمہ تعالیٰ

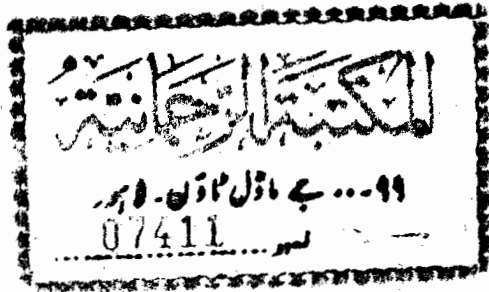
اعتراف

میں گرامی قدر قاری سید رشید الحسن صاحب الحسنی
والحسینی خطیب و پیش امام جامع مسجد نیوٹاؤن کا ممنون
ہوں جنہوں نے ابتدائی مرحلہ میں میری رہنمائی اس انداز
سے فرمائی کہ پھر سنگ میل کی حاجت نہ رہی۔
میں اُن حضرات کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے
میرے لئے کیا اب کتابیں مہیا کیں جن سے استفادہ
کے بغیر یہ کاوش ادھوری رہ جاتی۔
اللہ پاک اس کوشش کو قبول فرمائے

سید تنظیم حسین

کراچی

264.23
1-600



فہرست عنوانات

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۴	اسمعیلیہ کا عقیدہ امامت	۳۵	تقریظ پیش لفظ
۳۴	اسمعیلیہ کے نام	۱۳	مقدمہ تشریحات
۳۶	اسمعیلی اقتدار کے مختلف ادوار		باب اول
۳۶	فاطمی امام / خلیفہ	۱۹	عرض مؤلف
	باب سوم		اسمعیلیوں سے متعلق لٹریچر کی قلت و کمیابی۔
۳۸	اسمعیلیہ کی شاخیں	۱۹	تالیف کا مقصد
۳۸	قرامطہ	۲۳	باب دوم
۳۹	فاطمی (مغربی اسمعیلی)		اسمعیلیت کی ابتدا
۴۰	فاطمیوں کی شاخیں، دروزیہ۔	۲۶	اسلام میں شیعیت کا آغاز
۴۱	نزاری یا نزاریہ (مشرقی اسمعیلی)	۲۶	پہلا اختلاف، دوسرا اختلاف
۴۲	خوجہ، امام شاہی/ست پنتھی	۳۰	تیسرا اختلاف
۴۳	مستعلویہ یا اسمعیلی (طیبی)	۳۱	عقیدہ امامت (اثنا عشری) کا
	نزاریوں (آغا خانیوں) میں حالیہ		اجالی بیان
۴۵	اختلاف	۳۳	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۹	قائم القیامہ اور اس کا ظہور		باب چہارم
۵۹	علم حقیقت کے مآخذ		اسمعیلیہ کے اعتقادات
۶۲	علم حقیقت میں ہندی فلسفہ کی نشاندہی	۴۶	(ابتدائی دور میں)
۶۳	قدیم یونانی فلسفہ کی نشاندہی	۴۶	اسمعیلی علوم، علم و تاویل
۶۶	علم حقیقت میں تضاد و تناقض	۴۷	تاویل کے چند نمونے
۶۸	علم فقہ، اسمعیلی دعوت کا نظام	۵۰	اسمعیلی تاویلات کے مآخذ
۷۰	اسمعیلی دعوت کے مدارج	۵۰	تاویلات سے متعلق ایوانو کی رائے
۷۶	اسمعیلی دعوت کے اثرات	۵۱	تاویلات کے اثرات خود اسمعیلیوں
۷۷	اسمعیلی دعوت میں ایرانی اثرات	۵۲	تاویلات کی حیثیت
۷۹	اسمعیلیہ کی خصوصیات	۵۲	علم حقیقت:
۸۰	اسمعیلیہ کے بنیادی عقائد	۵۳	عالم روحانی کی ابتدا
	باب پنجم		عالم ابداع، عقل اول، عقل دوم
	اسمعیلی فرقوں کی موجودہ کیفیات:	۵۳	وغیرہ
۸۳	دروزیہ، دروزیہ کا مذہب وغیرہ	۵۵	دنیا میں ۲۸ بہترین اشخاص اور
۸۶	نزاریہ	۵۵	صاحب جنتہ ابداعیہ
	اعمال شریعت سے متعلق نزاریوں کے عقائد	۵۶	دورِ کشف، دورِ فترت
۸۷	امام حسن علی ذکر السلام کی نبی حیثیت	۵۶	دورِ ستر، حضرت آدم اور ان کی حقیقت
۸۸	اعمال شریعت کی طرف واپسی	۵۸	دورِ ستر میں مستودعین یعنی انبیاء
۸۹			کا قیام
			ائمہ کے اوصاف

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۰	حضرت علیؑ کے متعلق نزاریوں کا عقیدہ	۹۰	ایران میں نزاری اقتدار کا خاتمہ
۱۱۰	باب ششم	۹۱	برصغیر میں نزاری داعیوں کا کردار
	تاریخ میں اسماعیلیوں کا منفی کردار:	۹۳	گنان کیا ہے؟
۱۱۲	قراٹھ (مساجد کا جلانا اور حجاج کا مسلسل قتل)	۹۵	نزاری پیروں کی خصوصیات
۱۱۲	بیت اللہ شریف کی بے حرمتی اور حجر اسود کی منتقلی	۹۶	نزاری پیر اور تقیہ
۱۱۳	قراٹھ کی سرگرمیاں ہندوستان میں		ایک حیرت انگیز تقیہ (جو چار سو سال تک راز رہا)
۱۱۶	دروزیہ (مسلمانوں سے بدترین دشمنی)	۹۷	نزاریوں/آغا خانیوں کی مذہبی کتابیں
۱۱۷	روافض باطنیہ (اسماعیلی) (اسماعیلیوں کا صلیبیوں سے تعاون)	۹۸	گنان کا نمونہ
۱۱۸	(نزاری) یا مشرقی اسماعیلی (اکابر کا قتل)	۹۹	دس اوتار، فرامین
۱۱۸	ایک سوال	۱۰۰	اسلامی شعاب اور آغا خانی
۱۲۶	حسن بن صباح کی زندگی	۱۰۱	نزاریوں کے دیگر اعمال
۱۲۶	برصغیر میں نزاری امامت کا منفی کردار	۱۰۱	حاضر امام کو رقومات کی ادائیگی
۱۲۷			آغا خاں کا حکومتِ برطانیہ سے خصوصی تعلق
		۱۰۲	مستعلویہ (بوہرے)
		۱۰۳	فاطمی مستعلویہ اور ظاہری شریعت
		۱۰۳	مستعلویہ کی مقدس کتابیں
		۱۰۶	موجودہ اسماعیلی فرقوں کے مجموعی اعتقادات

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۳۹	روایات		خلافت عثمانیہ کے خلاف آغاخان
۱۵۳	معذرت	۱۲۹	سوئم کی برطانیہ نوازی
	باب ہشتم		فاطمی یا مغربی اسمعیلیوں
	عیبِ جملہ بگفتی ہنرش نین	۱۳۰	کا منفی کردار
۱۵۶	بگو		حجرِ اسود کی بے حرمتی میں فاطمیوں
۱۵۷	جامع ازہر	۱۳۰	کا تعاون
۱۵۸	دار الحکمت		مغربی اسمعیلیوں کا صلیبیوں سے
۱۵۹	رسائل اخوان الصفا	۱۳۱	تعاون
	اشاعتِ اسلام میں اسمعیلیوں کا	۱۳۳	اسمعیلیہ کے منفی کردار کے محرکات
۱۶۱	حصہ	۱۳۷	اسمعیلیہ کے منفی کردار کے اثرات
	باب نہم		باب سہتم
	سن تو سہلی جہاں میں		فاطمی ائمہ معصومین کا
۱۶۳	ہے تیرا فسانہ کیا !		سیاسی کردار اور ان سے
۱۶۴	امیر علی، ڈی۔ غویہ	۱۳۹	متعلق غیر یقینی معلومات
۱۶۵	اسٹینلے لین پول	۱۳۹	امام / خلیفہ عبید اللہ المہدی وغیرہ
۱۶۶	ڈاکٹر زاہد علی	۱۴۴	فاطمی خلفاء کی زندگی کے دیگر پہلو
۱۶۶	وٹی کیوٹس	۱۴۶	ائمہ کے لئے سجدے اور صلوة
۱۶۷	اہل امریکہ کے جدید ترین تاثرات	۱۴۷	ائمہ سے ملاقات
	باب دہم	۱۶۸	الحاصل
۱۶۸	فاطمیوں کی سعی للحصول		ائمہ معصومین سے متعلق دلچسپ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۷۹	امامیہ میں پہلا اختلاف، دوسرا	۱۶۸	اسمعیلی دعوت کے بارہ سو سال
۱۸۰	اختلاف	۱۷۰	موجودہ صورت حال
۱۸۱	تیسرا اختلاف		باب یا از دہم
	بنی ہاشم کی نظریہ امامت سے	۱۷۱	حرفِ آخر
۱۸۲	بے خبری	۱۷۱	اسمعیلی عقائد و فاطمی دعوت
	بنی فاطمہ کے عاشقانِ پاک	۱۷۱	اخلا و رازداری کی اصل وجہ
۱۸۳	طینت	۱۷۲	تقیہ اور اخفا کی کافر مائیاں
۱۸۵	خلاصہ		ایک معمر بن گیانہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
	باب سہ از دہم	۱۷۵	
	نظریہ/عقیدہ امامت		باب دو از دہم
۱۸۷	دورِ جدید میں		عزتِ رسول اور عقیدہ/نظریہ
۱۸۸	حکومت کے لوازم	۱۷۷	امامت قاریج کی نظر میں
۱۹۲	اشنا عشریہ میں امید افزا حقیقت	۱۷۷	عقیدہ امامت کے بنیادی نکات
۱۹۲	شناسی	۱۷۸	امامیہ یا اہل تشیع کی ابتدائی کیفیت
۱۹۸	اعادہ	۱۷۹	امامیہ میں اتحاد کا فقدان
۱۹۹	اشتہار متعلقہ آغا خانی مذہبی عبادات		

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

(المجمع الإسلامي العلمي)

تقریر

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

الحمد لله رب العالمین الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلیٰ الہ واصحابہ الطاہرین
نظام قدرت کی یہ عجیب نیرنگی اور حکمت و مصلحت ہے کہ یہاں ہر طرف اور ہر شے کے ساتھ اس کی
ضداد و مقابل بھی پوری طرح کارفرما اور سرگرم عمل نظر آتا ہے حق و باطل، خیر و شر، نور و ظلمت اور شب و روز
کی طرح متضاد اشیاء کے بے شمار سلسلے کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے خالق و مالک کی عظمت و کبریا کی
شانِ تخلیق اور بے نیازی و مصلحت پروری کی گواہی دے رہے ہیں اور نسبت تضاد سے ایک دوسرے
کو متعارف و ممتاز کر رہے ہیں کہ

وبضدھا تبین الامشیاء

اشیاء کی طرح تعاقب و تضاد کا یہ سلسلہ مذاہب و ادیان اور افکار و اقدار تک پھیلا ہوا ہے اور
ان میں بھی حق و باطل اور خیر و شر کا معرکہ برپا ہے خصوصاً اسلام کے بالمقابل (جو تمام انبیاء کا متفقہ
مذہب رہا ہے) باطل افکار و نظریات، خفیہ و علانیہ تحریکات اور تحریف و تاویل کی طاقتیں ہمیشہ سرگرم رہی
ہیں اور عصر حاضر میں توان کی خطرناک سرگرمیاں اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گئی ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی !

تاریخ اسلام کے مطالعے سے یہ افسوسناک اور شرمناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کو
خارجی حملوں سے کہیں زیادہ نقصان اس کے داخلی فتنوں، تحریف و تاویل کے نظریوں، بدعت و تشیع،
شعوبیت و عجیت اور منافقانہ تحریکوں سے پہنچا ہے جو اس سلا بہار اور سایہ دار و ثمر بار درخت کو گھسی
اور دیمک کی طرح کھوکھلا کرتی رہی ہیں اور اس کی قوت نمو اور فیض رسانی کی صلاحیت کو کمزور کرتی
رہی ہیں جن میں سرفہرست باطنیت و اسماعیلیت کی خطرناک اور فتنہ پرور تحریک ہے اور جن کا

مرچمہ رفض و تشیع ہے جس نے ایک طویل عرصے سے اسلام کے بالمقابل اور متوازی ایک مستقل دین و مذہب کی شکل اختیار کر لی ہے اور جو کتاب و سنت پر مبنی اسلام سے حریفانہ طور پر مقصود و متغارب ہے اپنے چند سالہ دور اقتدار میں خمینی صاحب نے جس طرح تشیع کے تن مرنے میں روح پھونکی ہے اور اس کو جارحیت و دہشت گردی کی راہ پر ڈالا ہے اور ایک ایسی طویل و خطرناک جنگ کے شعلے بھڑکائے ہیں جس کی لپیٹ میں تقریباً سارا عالم اسلام آگیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ علمی و دینی حلقوں میں تشیع و باطنیت کے تحقیقی و تنقیدی مطالعے نے اولین اہمیت حاصل کر لی ہے اور اس طرح عالم اسلام میں اس موضوع پر متعدد مفید کتابیں سامنے آگئی ہیں جو شیعی و باطنی عقائد کو بے نقاب کرتی ہیں مگر شیعییت و باطنیت کے مفصل تاریخی جائزے کی ضرورت ہنوز برقرار ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے محب قدیم سید تنظیم حسین صاحب نے اردو انگریزی مآخذ کو سامنے رکھ کر عقیدہ امامت اور اسماعیلیت و باطنیت سے اچھی اور معلومات افزا بحث کی ہے اور بکھرے ہوئے مواد کو ایک مربوط سلسلہ بنا دینے کی مفید و مستحسن کوشش کی ہے، انہوں نے بڑی جامعیت کے ساتھ اسمعیلیہ کی شاخوں، ان کے عقیدوں ان کی تحریفات و تاویلات، تاریخ اسلام میں ان کے منفی و ظالمانہ کردار، تقیہ کے تحت ان کے مخفی عقائد و خیالات سے بڑے غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ انداز میں بحث کی ہے جس میں علمی سنجیدگی، تاریخی متانت کے ساتھ اسلوب کی روانی و شگفتگی بھی موجود ہے۔

اس اہم موضوع پر بڑی حد تک جامع کتاب ہونے کی حیثیت سے یہ کتاب بڑی قدر و قیمت کی حامل ہے اور اردو کے دینی و تاریخی لٹریچر کے ایک خلا کی بڑی حد تک تکمیل کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مصنف موصوف کی اس کاوش کو قبولیت عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس قدیم فتنے سے آگاہ ہونے اور خود اس فرقے کو اپنے افسوسناک موقف پر نظر ثانی اور اس کی تلافی کرنے کی توفیق بخشے۔

اللہم ادرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعاً و ادرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتناباً

مخلص
ابوالحسن علی ندوی

ندوہ لکھنؤ
الرشوال المکرم ۱۴۳۵ھ

پیش لفظ

از گرامی قدر محمد عبک الرشد نعمانی صاحب مدظلہ



اسماعیلی شیعوں کے دونوں فرقے آغا خانی جو حاضر امام کے معتقد ہیں اور شریعت کے تمام احکام کو معطل سمجھتے ہیں اور اسی لئے ان کے یہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی بلکہ اپنی تقریبات کے لئے ”جماعت خانہ“ میں جمع ہو جایا کرتے ہیں، اور بوجہ ہرے جو امام مستور کے قائل ہیں اور اس کے داعی برہان الدین کے معتقد، اور چونکہ سردست ان کے یہاں احکام شرع معطل نہیں، اس لئے ان کی مسجدیں بھی ہیں اور حج پر بھی چلے جاتے ہیں، ان دونوں فرقوں کی اچھی خاصی قابل لحاظ تعداد ہندو پاک دونوں جگہ موجود ہے، مالی حالت ان دونوں فرقوں کی بہت اچھی ہے اور ان میں بڑے بڑے سرمایہ دار افراد ہیں جن کی دولت کا یہ کھلا کر شمع ہے کہ آئے دن ہمارے ملک کے کثیر الاشاعت روزناموں کے اوراق پر نس کریم آغا خان اور سیدنا برہان الدین کے تفصیلی تعارف، اسماعیلیوں کے شاندار کارناموں اور ان کی مداحی کے لئے وقف رہتے ہیں، اخباروں میں ان کے حالات کو پڑھ کر عام قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور اس کا جی چاہتا ہے کہ اسماعیلی تحریک، اس کے داعی اور اس کے اماموں کے بارے میں اس کو واقفیت حاصل ہو، مگر اس سلسلہ میں بازار میں عام طور پر کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی۔

(یوں تو اردو زبان کا دامن شیعہ اسماعیلیہ کے تعارف سے بالکل خالی نہیں بلکہ اس موضوع پر متعدد تالیفات ہماری زبان میں موجود ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحلیم شرر کا مشہور ناول ”فردوس بریں“ اور ان کی دوسری کتاب ”حسن بن صباح“ اس سلسلہ کی دلچسپ کتابیں ہیں۔ مولانا نجم الغنی صاحب رام پوری کی کتاب ”مذہب الاسلام“ میں بھی ان کے بارے میں کافی مواد موجود ہے۔ اور ڈاکٹر زاہد علی صاحب نے تو ”تاریخ فاطمیین مصر“ اور ”ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام“ جیسی بیش بہا کتابیں لکھ کر گویا اس موضوع کا حتیٰ ادا کر دیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں اس موضوع پر سند مستند ہیں۔ لیکن یہ سب تالیفات ایک آدھ کے سوا اب عام طور پر نہیں ملتیں۔)

ہمارے محترم دوست جناب سید تنظیم حسین صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اس پیرائے سالی میں اس موضوع پر ایک نہایت گراں قدر کتاب تالیف فرمائی، جو اپنی جامعیت، اختصار، سلاست، بیان، دلچسپی اور تحقیق کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے۔ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے عوام، خواص دونوں کے مطالعہ کے قابل اور دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ اور اس کی خوبی یہ ہے کہ جناب مؤلف کا قلم شروع سے آخر تک جادہ اعتدال سے ذرا نہیں ہٹا، انہوں نے اسماعیلی تحریک کا جائزہ بالکل غیر جانبدار ہو کر لیا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ خود قاری کے ذہن پر چھوڑ دیا ہے کہ:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے دلیل کے
وَيُحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ساتھ ہو، اور جس کو جینا ہے دلیل کے

(سورہ الانفال - ۷۳) ساتھ جیے۔

اللہ تعالیٰ جناب مؤلف کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔ آمین و صلی اللہ علی النبی الکریم۔

محمد عبد الرشید نعمانی

دوشنبہ ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ

مشرف،
جلس دعوت و تحقیق اسلامی
کراچی

مقدمہ

از محترم و مکرم مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ



الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰ

اسماعیلی مذہب پر کتابوں کی کمی کی شکایت قریباً ہر زمانہ میں رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلی مذہب ایک باطنی تحریک ہے۔ وہ اپنی دعوت خفیہ ذرائع سے پھیلانے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ اپنی تحریک کا کھلا تعارف پسند نہیں کرتے بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض حضرات نے بڑی محنت و جستجو سے باطنیوں کے حالات پر کتابیں لکھیں لیکن اس تحریک کے اکابر نے انہیں منظر عام سے غائب کرادیا۔

اس اخفاء کے وجوہات کئی ایک ہو سکتے ہیں۔ ایک سب سے بڑی وجہ تو یہ کہ یہ باطنی دعوت ”اہل بیت“ کے نام پر پیش کی جاتی تھی مگر اہل بیت کے اکابر جو عام لوگوں کے سامنے موجود تھے ان کو اس دعوت کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اگر علانیہ یہ دعوت پیش کی جاتی تو ”ائمہ اہل بیت“ اس کو فوراً جھٹلا دیتے۔ اس لئے باطنی تحریک کے داعیوں نے نہ صرف اپنی دعوت اور اس کی سرگرمیوں کو صیغہ راز میں رکھا بلکہ خود ”ائمہ اہل بیت“ کو بھی ”مکتوم“ اور ”مستور“ بنا دیا۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ امام کہاں ہیں جن کی تم دعوت

دیتے ہو؟ تو کہہ دیا جاتا کہ بحکم الہی وہ کسی نامعلوم جگہ پر چھپے ہوئے ہیں اور اُن سے ملاقات کی کسی کو اجازت نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی دعوت جس کے مرکزی کردار بھی ”پردہ ستر“ میں ہوں اس کو کھلے بندوں کیسے جاری رکھا جاسکتا تھا۔

دوسری بڑی وجہ یہ ہوئی کہ باطنی داعیوں کے پاس کوئی مربوط اور مفصل نظام نہیں تھا۔ اس لئے جس داعی کی سمجھ میں جو بات آجاتی وہ کہہ دیتا۔ علانیہ دعوت کی صورت میں اُن کے آپس میں اختلافات رونما ہوتے۔ اس لئے دعوت کا رخ ظاہر سے باطن کی طرف کر دیا گیا تاکہ داعیوں کے خود تراشیدہ ”حقائق“ منظر عام پر نہ آسکیں۔

اور اس سے بھی بڑی وجہ اس اخفا کی یہ تھی کہ اسماعیلی دعوت میں جو باتیں بنیادی اصول کے طور پر پیش کی جاتی تھیں وہ ایک مسلمان کے لئے اتنی متوحش تھیں کہ بھلے زمانوں کے مسلمان ایسی باتوں کو کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ باطنی اصول کہ اللہ تعالیٰ کا نور علی میں حلول کر گیا ہے۔ اس لئے علیؑ خود اللہ ہے اور پھر یہی منصب الوہیت بعد میں دیگر ائمہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ کون مسلمان ہوگا جو اس باطنی اسماعیلی عقیدے کو سن کر آسانی سے ہضم کر جائے اور اس عقیدے کو علانیہ طور پر پھیلانے کی اجازت دے۔ اس لئے اس دعوت کا، اس کے بنیادی اصولوں اور اس کے مرکزی کرداروں کا یہاں تک اخفا کیا کہ یہ تحریک ہی باطنی تحریک کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اس تحریک کے ”پردہ راز“ میں رہنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک پر بہت کم کتابیں لکھی گئیں اور جو کچھ لکھا گیا وہ بھی مسلمانوں کے لئے ”شجر ممنوعہ“ قرار دیا گیا۔ اس لئے باطنی تحریک کے باطنی احوال و کوائف

یہاں تک پردہ راز میں رہے کہ اس تحریک کی تاریخ، اس کے اصول و قواعد اس کے مذہبی رسوم و فرائض، اس کے اغراض و مقاصد اس کے داعیوں کے حدود و القاب اور اس کی دعوت کے مدارج عام لوگوں کی نظر سے اوجھل نہیں رہے بلکہ خود اسماعیلی باطنی بھی ان سے بے خبر رہے۔ ان وجوہ و اسباب کی بنا پر اسماعیلی تحریک کے لٹریچر کی کمی کی شکایت ہمیشہ رہی مگر اب کچھ عرصہ سے مستشرقین کی دلچسپی کی بنا پر خود اسماعیلیوں کی لکھی ہوئی کتابیں منظر عام پر آ گئی ہیں اور انگریزی عربی اور گجراتی میں اس تحریک پر کافی مواد دستیاب ہونے لگا ہے۔ اور ان مستند مآخذ کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر زاہد علی صاحب نے اسماعیلی مذہب پر (جوان کاخانہ دانی مذہب تھا) دو گراں قدر کتابیں لکھیں۔ (۱) تاریخ فاطمیین مصر (۲) ہمارا اسماعیلی مذہب اور اس کا نظام۔ یہ دونوں کتابیں بہت ہی محنت و کاوش سے لکھی گئی ہیں اور اس موضوع پر گویا حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہیں مگر یہ کتابیں بھی بازار میں کم یاب ہیں۔ ہمارے محترم جناب سید تنظیم حسین صاحب نے پیش نظر کتاب میں قدیم و جدید مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے اسماعیلی دعوت کے بارے میں ایسا دقیق مواد جمع کر دیا ہے کہ اس کا مطالعہ اس دعوت کے سمجھنے میں نہایت مفید اور ضروری ہو گا۔ کتاب میں طرز نگارش نہ صرف غیر جانبدارانہ ہے بلکہ ایسا عام فہم بھی ہے کہ ایک متوسط استعداد کا شخص بھی مطالب کے سمجھنے میں کوئی الجھن محسوس نہیں کرے گا۔

چھٹے باب میں مولف نے ”اسماعیلیوں کے منفی کردار“ سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں قرامطہ کی ہوشربا سرگرمیوں اور حسن بن صباح کی تیار کردہ جماعت ”فدائیین“ (جو تاریخ میں ”خثاشین“ کے لقب سے معروف ہیں) کی

ہولناک تباہ کاریوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس ضمن میں اسماعیلیوں کی سفاکی و بے رحمی کی ایک مثال ابن النابلسی شہیدؒ کے قتل کا وہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ (ص ۲۸۴ ج ۱۱) میں اور حافظ شمس الدین الذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں کیا ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو بکر محمد بن احمد بن سہل الرطبی المعروف بـ ”ابن النابلسی“ اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے۔ عابد و زاہد اور صائم الدہر تھے۔ حدیث و فقہ میں امام تھے۔ فاطمیوں نے جب مصر پر غلبہ حاصل کیا تو اسماعیلی عقائد کو لوگوں پر بزورِ شمشیر مسلط کرنا چاہا۔ ”ابن النابلسی“ شہیدؒ اُن کی اس حرکت سے نالاں تھے اور وہ نہ صرف اُن کے اس طرزِ عمل پر تنقید کرتے تھے بلکہ اُن کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے تھے۔ اسماعیلی حکمران انہیں گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ رملہ سے دمشق چلے گئے۔ وہاں کے گورنر نے اُن کو گرفتار کر کے لکڑی کے پنجرے میں بند کر کے مصر بھیج دیا۔ یہ ۳۶۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ابو تمیم معز فاطمی حکمران تھا۔ اور اس کا غلام امیر عساکر ”جوہر“ سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ ابن النابلسی شہیدؒ کو قائد جوہر کے سامنے پیش کیا گیا۔ جوہر نے پوچھا کہ تم نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ اُن میں سے ایک تیر روم کے نصرانیوں کے خلاف اور نو اسماعیلیوں کے خلاف استعمال کرے۔ ابن النابلسی شہیدؒ نے فرمایا جناب آپ کو روایت غلط پہنچی ہے۔ میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا بلکہ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ نو تیر تو تمہارے خلاف استعمال کرے اور دسواں تیر بھی روم کے نصرانیوں کے بجائے تم لوگوں پر برسائے۔

فَاتَّكُمْ غَيْرَ تَمَّ الْمِلَّةَ کیونکہ تم نے دین کو بدل ڈالا۔
وَقَتَلْتُمُ الصَّالِحِينَ خدا کے نیک بندوں کے خون سے ہاتھ
وَادَّعَيْتُمْ نُورَ رنگے، اور تم نور الوہیت کے
الْإِلَهِيَّةِ - مدعی بن بیٹھے۔

جوہر نے حکم دیا کہ ان کی تشہیر کی جائے (منہ کالا کر کے بازار میں پھیرا
جائے) دوسرے دن ان کی پٹائی کا حکم دیا۔ تیسرے دن ایک یہودی کو
حکم دیا کہ ان کی زندہ کی کھال کھینچ لی جائے۔ یہودی نے سر کی چوٹی سے اُن
کی کھال کھینچنی شروع کی چہرے تک کھال اتاری گئی۔ مگر انہوں نے اُف
نہیں کی۔ بلکہ نہایت صبر و سکون کے ساتھ ذکر الہی میں مشغول رہے اور قرآن
کریم کی آیت "وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا" (الاحزاب ۳۸) کی تلاوت
فرماتے رہے یہاں تک کہ سینے کی کھال تک اُتاری گئی اور اُن کے صبر و استقامت
کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔ بالآخر کھال کھینچنے والے یہودی کو ان پر برس
آیا اور اس نے دل کی جگہ چھری گھونپ کر اُن کا قصہ تمام کر دیا۔ کھال اُتارنے
کے بعد اس میں بھوسہ بھر گیا اور بھوسہ بھری کھال کو سولی پر لٹکایا گیا۔ رحمۃ
اللہ تعالیٰ۔ (الذہبی: سیر الاعلام ص ۱۴۸، ۱۴۹ ج ۱۶)

یہ اسماعیلیوں کی سفاکی و بربریت کی ایک مثال ہے جس کے پڑھنے سے بھی
بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسماعیلی
خونخواروں کے ہاتھوں کتنے علماء و حقانی نے جام شہادت نوش کیا ہوگا۔
حق تعالیٰ شانہ، ان کے فتنے سے اُمت کی حفاظت فرمائے۔

وَلِلَّهِ الْحَمْدُ أَوَّلًا وَآخِرًا

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۴۰۶/۶/۹ھ

تشریحات

[ان تشریحات سے اس کتاب کے نفس مضمون کو سمجھنے میں مدد ملے گی]

پیغمبر

بنی نوع انسان میں سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اُس برگزیدہ بندے کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں تک اپنے احکام پہنچانے کے لئے مقرر فرماتا ہے۔ پیغمبر دو طرح کے ہوتے ہیں: رسول اور نبی۔

رسول: اُس پیغمبر کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت اور کتاب دی ہو۔

نبی: ہر پیغمبر کو کہتے ہیں چاہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی شریعت اور کتاب دی گئی یا نہ دی گئی ہو اور وہ اپنے سے پہلے رسول کی شریعت اور کتاب کا تابع ہو۔

خلافت

[نظریہ یا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے تحت قرآن و سنت کے اعتبار سے عقیدہ] مسلمانوں کو اپنے دینی و دنیوی سربراہ کو اجماع و انتخاب کے ذریعہ مقرر کرنے کا اختیار ہے۔

خلیفہ : (خلیفہ کے معنی جانشین یا نائب کے ہیں) عقیدہ / نظریہ خلافت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے جانشین یعنی امت مسلمہ کے دینی و دنیوی سربراہ کو 'خلیفۃ الرسول' کہا گیا۔ آگے چل کر یہ لقب مسلمانوں کے حکمرانوں کے لئے استعمال ہوتا رہا۔ (جمع خلفاء)

وصی : جس کو مرنے والے نے اپنے معاملات کانگراں مقرر کیا ہو۔ (جمع اوصیا)

(اہل تشیع کے یہاں ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؑ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے)

امامت: نظریہ / عقیدہ

(اہل تشیع کے اعتبار سے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مسلمہ کی دینی و دنیوی سربراہی کے لئے اہل بیت رسول میں سے ہر دور میں اللہ تعالیٰ ایک امام انبیاء علیہم السلام کی طرح مامور فرماتے ہیں جو معصوم ہوتا ہے اور جس کی اطاعت فرض ہے۔ جس کا حق دنیا پر حکومت کرنا ہے۔

امام (۱): اہل تشیع کے یہاں مندرجہ بالا نظریہ / عقیدہ کے تحت جس کو امام تسلیم کیا جائے۔ (جمع ائمہ)

(ب) اہل سنت والجماعت کے یہاں ہر اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی بھی شعبہ میں اپنی اہلیت و قابلیت کے اعتبار سے رہنمائی کر سکتا ہو۔

بنی ہاشم : ان افراد کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت ہاشم (یعنی رسول اللہ ﷺ) سے ملے ہو۔

(ہاشمی) صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا) تک پہنچتا ہو۔

بنی ہاشم کی شاخیں

مطلبی : اُن افراد کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت عبدالمطلب بن ہاشم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا) تک پہنچتا ہو۔

طالبی : اُن افراد کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت ابوطالب (عبدمنان) بن حضرت عبدالمطلب تک پہنچتا ہو۔

عباسی : اُن افراد کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت عباسؓ بن حضرت عبدالمطلب تک پہنچتا ہو۔

علوی : اُن افراد کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ بن ابی طالب تک پہنچتا ہو۔ ان میں حضرت علیؓ کی فاطمی وغیر فاطمی دونوں اولاد

شامل ہیں۔ (آجکل صرف غیر فاطمی اولاد کے لئے استعمال ہوتا ہے)

عقیلی : اُن افراد کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت عقیلؓ بن ابی طالب تک پہنچتا ہو۔

بنو جعفر : اُن افراد کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب تک پہنچتا ہو۔

فاطمی : اُن افراد کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ کی اس اولاد

تک پہنچتا ہو جو بطنِ فاطمہؓ (یعنی حضرات حسنؓ و حسینؓ) سے ہیں۔ [اہل

تشیع کے یہاں ان کو اہل بیتِ رسول یا عترتِ رسول بھی کہا

جاتا ہے]

ائمہ اہل بیت

مندرجہ ذیل بارہ حضرات کو ائمہ اہل بیت کہا جاتا ہے:

- ① حضرات علیؑ ② حسنؑ ③ حسینؑ ④ علی السجاد/زین العابدینؑ
 - ⑤ محمد الباقرؑ ⑥ جعفر الصادقؑ ⑦ موسیٰ الکاظمؑ ⑧ علی الرضاؑ
 - ⑨ محمد الجواد/التقیؑ ⑩ علی النقیؑ ⑪ حسن عسکریؑ ⑫ محمد المہدی المنتظرؑ
- حُسنی: وہ افراد جن کا سلسلہ نسب حضرت حسنؑ تک پہنچتا ہو۔
- حُسینی: وہ افراد جن کا سلسلہ نسب حضرت حسینؑ تک پہنچتا ہو۔
- زینبی: وہ افراد جن کا سلسلہ نسب حضرت زینب بنت حضرت علیؑ تک پہنچتا ہو۔

طباطبائی: وہ افراد جن کا سلسلہ نسب ابراہیم طباطبائی بن اسمعیل دیباج بن ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؑ تک پہنچتا ہو۔

حسینیوں کی شاخیں

وہ افراد جن کا سلسلہ نسب ائمہ اہل بیت میں سے کسی امام تک پہنچتا ہو وہ اسی نام کی نسبت سے، عابدی، باقری، جعفری، موسوی، کاظمی، رضوی، نقوی، تقویٰ کہے جاتے ہیں: مثلاً امام زین العابدینؑ کی نسبت سے 'عابدی' اور امام محمد الباقرؑ کی نسبت سے باقری وغیرہ۔

زیدی: حضرت علی السجاد/زین العابدین (اثنا عشریہ کے چوتھے امام) کے بیٹے حضرت زیدؑ کو بھی حجتانِ اہل بیت نے امام تسلیم کیا تھا۔ اُن کی اولاد کو زیدی کہا جاتا ہے اور اُن کے سلسلہ امامت و مکتبہ فکر کو تسلیم کرنے والے 'زیدیہ' کہلاتے ہیں۔

سادات: 'سید' واحد ہے۔ 'سَادۃ' جمع ہے اور 'سادات' جمع الجمع ہے (آجکل بنو فاطمہ کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔

شیعہ جو نظریہ/ عقیدہ امامت پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کو امامیہ بھی کہا جاتا ہے۔

سنی، جو نظریہ/ عقیدہ خلافت پر ایمان رکھتا ہو۔

زیدیہ: 'زیدیہ' اہل بیت کے پانچویں امام حضرت محمد الباقیؑ کی جگہ اُن کے بھائی حضرت زید شہیدؑ کو پانچواں امام مانتے ہیں۔ زیدیہ کا نظریہ امامت اثنا عشری یا اسمعیلی نظریہ امامت سے مختلف ہے۔ اُن کے یہاں امام نہ مامور من اللہ ہے نہ معصوم۔ صرف اس کا بنی فاطمہؑ میں سے ہونا لازمی ہے۔ علاوہ ازیں وہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت کے قائل ہیں۔

اسمعیلیہ: نظریہ/ عقیدہ امامت پر ایمان رکھنے والوں میں سے وہ طبقہ جس نے **سبعیہ** حضرت جعفر الصادقؑ کے بعد اُن کے بڑے بیٹے اسمعیلؑ کو ساتواں امام تسلیم کیا اسمعیلیہ کہلایا ان کو سبعیہ (سات کھاننے والے) بھی کہا گیا۔ **موسویہ:** اوس جنہوں نے حضرت جعفر الصادقؑ کی دوسری نص کے اعتبار سے **اثنا عشریہ** اُن کے دوسرے بیٹے موسیٰؑ کا ظم کو امام تسلیم کیا وہ 'موسویہ' کہلائے اور بارہویں امام کی غیبت کے بعد اثنا عشریہ کہلائے (اثنا عشر عربی میں بارہ کو کہتے ہیں)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اول

عرضِ مولف

www.KitaboSunnat.com

اسماعیلیوں سے متعلق لٹریچر کی قلت و کمیابی

شیعہ مذہب سے متعلق کتابوں کا حصول ہمیشہ سے ایک مسئلہ رہا ہے۔ یہ ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ مغربی مستشرقین جو کتابوں کے حصول کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کے لئے معروف ہیں اس کا اعتراف کرتے ہیں Shorter Encyclopaedia of Islam میں "اسماعیلیہ" کے عنوان کے تحت مقالہ نگار W. Ivanow (ڈبلو۔ ایوانو) لکھتے ہیں: "ظاہری طور پر دیگر امامیہ (شیعہ) کی طرح اسماعیلیوں کے متعلق بھی معلومات محدود ہیں۔"

ایوانو اُن مستشرقین میں سے ہیں جنہوں نے اسماعیلیہ سے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں جو سند کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

صفحہ ۱۸۱ - ۱۹۶۱ء ایڈیشن

"A Guide to the Rise of the Fatimids" اور "The Rise of the Fatimids" at to Ismaili literature وغیرہ۔

تاریخیں اسمعیلیوں کے پاس بہت معتبر ہیں۔ میں نے اُن کی مدد سے اپنی تالیف میں استفادہ کیا ہے۔

ڈاکٹر زاہد علی نے ایک اور جگہ لکھا ہے :

”اسمعیلیہ سے متعلق کوئی ایسی کتاب نہیں جو چوتھی ہجری سے قبل لکھی گئی ہو۔“

ڈاکٹر صاحب کے ان بیانات سے P. J. Vatankhah نے بھی اتفاق کیا ہے۔

تاریخ ائمہ اسمعیلیہ جلد سوم میں بھی اسی قسم کا اعتراف ہے۔
”جہاں تک ’الموت‘ کی اسمعیلی ریاست کی تاریخ کا تعلق ہے ہمارے پاس کوئی ٹھوس اسمعیلی مآخذ نہیں ہے۔“

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے شیعہ کی مستند کتابوں کی کیا با کی وجہ بھی تحریر فرمائی ہے :

”طباعت کے دور سے پہلے یہ کتابیں صرف خاص خاص شیعہ علماء کے پاس ہی ہوتی تھیں اور وہ ائمہ معصومین کے تاکید حکم کتمان کی تعمیل میں دوسروں کو نہیں دکھلاتے تھے بلکہ اُن کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتے تھے۔“

۱۔ جلد اول صفحہ ۲۴۰ ۲۔ جلد دوم صفحات ۲۴۶ - ۲۴۷ -

۳۔ ”The Fatimid Theory of State“ (Second Revised Edition) صفحہ ۱۸۱۔

۴۔ شائع کردہ ایچ۔ آر۔ ایچ دی آغاخان اسماعیلیہ البوالیش برائے پاکستان صفحہ ۵۷۔ (مرتبہ شیخ دیدار علی ریسر زوہر موٹر)

۵۔ ایرانی انقلاب اور شیعیت صفحہ ۲۴-۲۵۔ کتمان۔ اپنے اصل عقیدہ و مذہب و مسلک کو چھپانا اور دوسروں پر ظاہر نہ کرنا۔

عوام اور خواص کی اسمعیلیہ سے ناواقفیت کی یہی وجہ ہے۔ الحمد للہ اب کچھ عرصہ سے کسی قدر جدوجہد کے بعد اردو میں امامیہ (اسماعیلیہ) سے متعلق کتابیں ملنے لگی ہیں لیکن مستند کتابیں بیشتر انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں یا گجراتی زبان میں ہیں جن کا دائرہ بہت محدود ہے۔ ان مشکلات کے باوجود اسمعیلیہ سے متعلق معلومات پیش کی جا رہی ہیں جو زیادہ تر شیعہ اسمعیلی مصنفین کی کتابوں سے لی گئی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

اردو

- (۱) ہمارے اسمعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام از ڈاکٹر زاہد علی
- (۲) تاریخ فاطمیین مصر جلد اول و دوم از ڈاکٹر زاہد علی
- (۳) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ جلد اول، دوم، سوم، و چہام شائع کردہ
- (۴) تاریخ تفسیر و مفسرین از پروفیسر غلام احمد حریری
- (۵) آب کوثر از شیخ محمد اکرام۔ آئی۔ سی۔ ایس
- (۶) تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
- (۷) شیعیت و باطنیت ہ منفی کردار از شمس تبریز خاں صاحب
- (۸) ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت از مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ
- (۹) رحمۃ للعالمین از مولانا محمد سلیمان سلمان منصور پوری
- (۱۰) نظام حکومت اسلامیہ از مولانا ابوالکلام آزاد
- (۱۱) تقویم تاریخی از مولانا عبدالقدوس ہاشمی
- (۱۲) زید شہید از سید محمد عباس قمر زیدی

(۱۳) مذاہب الاسلام از محمد نجم الغنی خاں رام پوری محکم دلائل و بواہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انگریزی

(۱) A Short History of the Saracens - از امیر علی

(۲) The Spirit of Islam (1965 Ed.) - از امیر علی

(۳) Shorter Encyclopaedia of

Islam - 1961 Edition. مقالہ اسمعیلیہ

SHI'AH (۴)

از علامہ سید محمد حسین طباطبائی }
ترجمہ سید حسین نصر } Encyclopaedia Britannica (۵)

--- AGA KHAN I

Von Hammer - The History of the Assassins (۶)

(English Translation)

P. J. Vatikiotis - The Fatimid Theory of State (۷)

T. P. Hughes - A Dictionary of Islam (۸)

تالیف کا مقصد

اس کوشش کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے دینی بھائیوں کو اسمعیلیہ سے متعلق صحیح معلومات حاصل ہو جائیں تاکہ ان معلومات کی روشنی میں وہ خود ان کے عقائد اور انسانیت کے نام پر خدمتِ خلق سے خصوصی دلچسپی سے متعلق کوئی رائے قائم کر سکیں۔ نیز ہمیں یقین ہے کہ اگر اسمعیلی حضرات اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو ان کو حق اور باطل میں تمیز کرنے میں قطعی دشواری نہ ہوگی۔ یوں تو صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ مذہب یا

مسک یا عقیدہ جو اس قدر اخفا میں رکھا جائے۔ اور جس کے اظہار پر پابندی لگائی جائے بجائے خود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ عوامی محاسبہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس میں ہمہ گیر ہونے کی صلاحیت اور اہلیت ہی نہیں کسی بھی قسم کا عقیدہ ہو چھپانے کے لئے نہیں ہوتا پھیلانے کے لئے ہوتا ہے۔ چند دماغوں یا سینوں میں بند رکھنے کے لئے نہیں ہوتا۔ قرآن پاک میں آتا ہے:

ترجمہ: اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے۔ اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو ان لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ (سورۃ المائدہ/۶۷)

آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ عقاید و مقاصد کی بلا خوف و خطر اشاعت و وضاحت ایک دینی فریضہ ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے بدرجہ اتم ادا کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ کے ہزار ہا نیک بندوں نے بہ نوک شمشیر ادا کیا ہے۔ دینی تعلیمات کے علاوہ کسی بھی قسم کی تعلیمات ہوں جن کا مقصد بنی نوع انسان کی فوز و فلاح ہو اس کو کسی قدر بھی اخفا میں رکھنا اور جان بوجھ کر خواص تک محدود رکھنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسماعیلی و دھو کے مرتب کرنے والوں سے جو عقل و دانش کی اولین سطح کے مدعی ہیں یہ بعید ہے کہ وہ اتنی معمولی سی بات نہ سمجھتے ہوں کہ اس طرح ان کی تعلیمات عام نہیں ہو سکتیں۔ تو پھر ان کا مقصد عامۃ المسلمین میں فکری و نظری انتشار

لے ورنہ اس کی حیثیت ایک *under ground* جماعت کی سی ہو جاتی ہے جو کبھی منظر شہر پر آجاتی ہے۔ کبھی پھر زیر زمین۔ کبھی اس ملک میں کبھی اُس ملک میں۔

پیدا کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ تاریخ اس کا جواب اثبات میں دے رہی ہے۔

اسمعیلیوں میں عرصہ سے بیداری کے آثار نمایاں ہیں جیسا کہ خود نزاری اسمعیلیوں کے امام ہزار اہل ہائیس سلطان محمد شاہ المعروف بہ آغا خاں سوم نے اپنی یادداشتوں میں اعتراف کیا ہے۔ اس صورتِ حال کا تقاضا ہے کہ حقیقت کو احسن طریقہ سے واضح کیا جائے۔ اسمعیلیہ سے یا کسی اور فرقہ سے بے جا پر خاش اور ناروا تعصب اس کتاب کا موضوع نہیں۔ ہمیں قوی امید ہے کہ ناظرین کرام اگر ٹھنڈے دل سے افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر اس کا مطالعہ کریں گے تو مندرجات کو صحیح اور درست پائیں گے۔ ہم صمیم قلب سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک اس مختصر کتاب کو ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین۔



باب دوم

اسمعیلیت کی ابتدا

اسمعیلیت جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا شیعہ کا ایک فرقہ ہے لہذا اسمعیلیت کی ابتدا کے ذکر سے پہلے شیعیت کا سمجھنا ضروری ہے۔

اسلام میں شیعیت کا آغاز

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ عہدِ نبوی صلعم میں قریب قریب پورا جزیرۃ العرب اسلام کے زیرِ اقتدار آ گیا تھا۔ عہدِ صدیقی اور خلافتِ فاروقی میں اسلامی دعوت اور عسکری فتوحات کا سلسلہ تیزی سے جاری رہا۔ یہی صورت قریب قریب حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بھی رہی۔ اس مدت میں مختلف ملکوں، علاقوں، قوموں اور طبقوں کے بے شمار لوگ اپنے قدیم مذاہب و ادیان کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ عام طور سے وہی تھے جنہوں نے اسلام کو دینِ حق اور وسیلہٴ نجات سمجھ کر دل سے قبول کیا تھا لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل کیا تھا اور ارادہ یہ تھا کہ جب بھی کوئی مناسب موقع ملے اس کا بیشتر حصہ ایرانی انقلاب، صفحات ۱۰۴ تا ۱۰۷ سے لیا گیا ہے۔

ہوتا ہے۔ رسول اللہ کے وصی حضرت علیؑ تھے مگر اُن کو اُن کا حق نہ مل سکا یہ صورت حال اُس وقت شروع ہوئی جب حضرت عثمان غنیؓ کے نظم و نسق کے متعلق شکایات ہو رہی تھیں۔ اس طرح ابنِ سبا کی سازش کے لئے یہ وقت سازگار تھا۔ آگے چل کر اس گروہ کی ریشہ دوانیوں سے جو کچھ ہوا وہ تاریخ کا ایک تکلیف دہ باب ہے بہر حال حضرت عثمانؓ کی خلافت سے متعلق اختلافات ختم نہ ہو سکے خود اُن کی مظلومانہ شہادت ہوئی۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین ہوئیں۔ ہزاروں افراد کام آئے پھر حضرت علیؑ بھی شہید ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت حسنؓ کے خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد حالات میں کسی قدر ٹھہراؤ پیدا ہوا۔ اس دور میں حضرت علیؑ کے حقوق سے متعلق جو دعوت و تحریک خفیہ طریقوں سے چلائی جا رہی تھی اُس کے داعی جس سے جو بات اور جتنی بات کہنا مناسب سمجھتے وہی کہتے اور اتنا ہی کہتے اور اگر وہ قبول کر لیتا تو بس وہی اُس کا عقیدہ بن جاتا۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس تحریک کی ابتداء میں بغضِ معاویہؓ کو بھی دخل تھا۔ ان میں سے ایسے بھی تھے جو حضرت علیؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام اور وصی رسول مانتے تھے اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد اُن کی اولاد کو خلافت اور امامت کا حقدار سمجھتے تھے۔ کیونکہ اُن کو یہ باور کرایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرح رسول اللہ کی وفات کے بعد امامت کا سلسلہ قائم فرمادیا ہے تاکہ بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور سربراہی کئے اُن پر حجت قائم ہو سکے۔ لیکن اُس وقت تک نظریہ امامت کچھ لوگوں کے ذہنوں میں پرورش پا رہا تھا۔ کوئی ایک بات کہتا کوئی دوسری (اُس نظریہ امامت کا جو بعد میں کیسانہ / ہاشمیہ یا زیدیہ، امامیہ اثنا عشری یا امامیہ

ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصی حضرت علیؑ تھے مگر اُن کو اُن کا حق نہ مل سکا یہ صورتِ حال اُس وقت شروع ہوئی جب حضرت عثمان غنیؓ کے نظم و نسق کے متعلق شکایات ہو رہی تھیں۔ اس طرح ابنِ سبا کی سازش کے لئے یہ وقت سازگار تھا۔ آگے چل کر اس گروہ کی ریشہ دوانیوں سے جو کچھ ہوا وہ تاریخ کا ایک تکلیف دہ باب ہے بہر حال حضرت عثمانؓ کی خلافت سے متعلق اختلافات ختم نہ ہو سکے۔ خود اُن کی مظلومانہ شہادت ہوئی۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین ہوئیں۔ ہزاروں افراد کام آئے پھر حضرت علیؑ بھی شہید ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت حسنؓ کے خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد حالات میں کسی قدر ٹھہراؤ پیدا ہوا۔ اس دور میں حضرت علیؑ کے حقوق سے متعلق جو دعوت و تحریک خفیہ طریقوں سے چلائی جا رہی تھی اُس کے داعی جس سے جو بات اور جتنی بات کہنا مناسب سمجھتے وہی کہتے اور اتنا ہی کہتے اور اگر وہ قبول کر لیتا تو بس وہی اُس کا عقیدہ بن جاتا۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس تحریک کی ابتداء میں بغضِ معاویہؓ کو بھی دخل تھا۔ ان میں سے ایسے بھی تھے جو حضرت علیؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام اور وصی رسول مانتے تھے اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد اُن کی اولاد کو خلافت اور امامت کا حقدار سمجھتے تھے۔ کیونکہ اُن کو یہ باور کرایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرح رسول اللہ کی وفات کے بعد امام کا سلسلہ قائم فرمادیا ہے تاکہ بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور سربراہی کے لئے اُن پر حجت قائم ہو سکے۔ لیکن اُس وقت تک نظریہٴ امامت کچھ لوگوں کے ذہنوں میں پرورش پا رہا تھا۔ کوئی ایک بات کہتا کوئی دوسری (اُس نظر سے) امامت کا جو بعد میں کیسانہ / ماشمیہ یا زیدیہ، امامیہ اثنا عشری یا امامیہ

(اسمعیلیہ) نے تشکیل دیا اس کا کہیں وجود نہ تھا۔ اس پس منظر میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کو اپنی جانشینی کے لئے آگے بڑھایا۔ (ہو سکتا ہے اُن کو اس کی ترغیب سببی بنیاد پر حق خلافت / امارت / امامت کے دعویٰ سے ہوئی ہو) اس کی ابتدا حضرت حسنؓ کی زندگی کے آخری ایام میں ہوئی۔ یہ سلسلہ قریباً دس سال جاری رہا۔ اس مدت میں نام نہاد محبانِ اہل بیت کو زرین موقع ملا اور انہوں نے بنی ہاشم میں اقتدار سے محرومی کا احساس پیدا کر دیا جیسا کہ بعد کے حالات و واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ۱۸؎ میں واقعہ کربلا پیش آیا۔ اس واقعہ نے سازشیوں کو اپنی تحریک پر اثر بنانے کے لئے ایک اور بنیاد فراہم کی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کربلا کے میدان میں تو حضرت علیؓ کی فاطمی اور غیر فاطمی اولادیں سب شریک تھیں لیکن اُس کے بعد اُن میں ہی نہیں بلکہ حسنی و حسینی سادات میں بھی اتفاق نہ رہا۔

شیعی مورخ سید امیر علی لکھتے ہیں :

”یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ ظلم و ستم شیعوں کو متحد رکھ سکے گا لیکن گو سب اس امر پر متفق تھے کہ خلافت / امارت اہل بیت کا حق ہے ان میں سے بہت سے خاندان کے مسلمہ سربراہوں (ائمہ اہل بیت) سے علیحدہ ہو گئے اور اپنے آپ کو خاندان کے دوسرے افراد سے وابستہ کر لیا“ [یعنی دیگر افراد کو امام تسلیم کر لیا]

۱۹؎ بنی ہاشم میں ایسے افراد کی تعداد کافی ہے جنہوں نے اموی و عباسی دورِ خلافت میں امامت کا دعویٰ کیا۔ اور لوگوں نے اُس کو تسلیم بھی کیا۔ خروج کرنے والوں میں قریب قریب گیارہ حسنی ہیں اور سات حسینی ہیں۔

۲۰؎ صفحہ ۳۲ - - - "The Spirit of Islam"

سید امیر علیؑ کی ان چار سطروں میں ڈھائی سو سال کے واقعات پوشیدہ ہیں
بہر حال چند اہم اختلافات کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ اسمعیلیت کی ابتدا سمجھنے
کے لئے ان سے واقفیت اشد ضروری ہے۔

پہلا اختلاف

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل بیت کے عقیدہ مندوں
کے ایک گروہ نے حضرت امام حسینؑ کے بیٹے حضرت علی السجاد/ زین العابدینؑ
کو امام تسلیم کیا جبکہ ایک گروہ نے حضرت علیؑ کی ایک اور زوجہ محترمہ کے بیٹے
محمد بن الحنفیہؑ کو امام تسلیم کر لیا۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ حضرت امام حسینؑ کے
بعد امامت حضرت علیؑ کے اس وقت موجود سب سے بڑے بیٹے محمد بن الحنفیہؑ
کا حق ہے۔ یہ لوگ کیسانہ/ ہاشمیہ کہلاتے { آگے چل کر اس سلسلہ کی
بیعت حضرت عباسؑ کے پڑپوتے محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؑ کو ۹۸ھ/ ۶۸۹ء
میں منتقل ہو گئی جس کے نتیجے میں ۱۳۲ھ میں عباسی خلافت وجود میں آئی۔

دوسرا اختلاف

جس گروہ نے حضرت علی السجاد/ زین العابدینؑ بن حضرت امام حسینؑ
کو امام تسلیم کیا تھا اُن میں تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت علی السجاد/ زین العابدینؑ
کی جانشینی کے سلسلہ میں اختلاف ہوا۔ اس گروہ کے ایک ٹکڑے نے حضرت
امام محمد الباقرؑ (پانچویں امام) کی جگہ اُن کے بھائی حضرت زید شہیدؑ کو (پانچواں)
لے ظاہر ہے کہ یہ گروہ امامت کو صرف بنی فاطمہ کا ہی حق نہیں سمجھتا تھا۔ حضرت محمد بن
الحنفیہؑ کا انتقال ۹۵ھ میں ہوا۔

امام تسلیم کر لیا۔ یہ وہ حضرات تھے جو اگر ضرورت ہو تو بزورِ شمشیر اپنا حق تسلیم کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ ان میں حنی سادات پیش پیش تھے جبکہ حضرت امام زین العابدینؑ اور ان کے بیٹے حضرت امام باقرؑ نے خاموشی کا راستہ اپنایا تھا۔ حضرت زید شہیدؑ اموی فوجوں کے مقابلہ میں شہید ہوئے۔ ان کے متبعین زید یہ کہلائے۔ زید یہ کے نظریۂ امامت سے متعلق چند نکات قابلِ ذکر ہیں:

(۱) اُمتِ مسلمہ کو بنی فاطمہؑ میں سے خود اپنا قائد مقرر کرنے کا اختیار ہے۔

(۲) افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے۔

(۳) امام ایسا شخص ہونا چاہئے جو اپنا حق حاصل کرنے کی استعداد رکھتا ہو (زید یہ عصمتِ ائمہ کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ وہ (۲) کے تحت حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت کو جائز قرار دیتے ہیں اور ان سے اظہارِ برأت نہیں کرتے۔ ان کا ایک فرقہ (جارودیہ) ملت کے سربراہ کے تقرر کے لئے انتخاب کو درست قرار دیتے ہیں۔)

www.KitaboSunnat.com

تیسرا اختلاف

اُس گروہ میں جس نے حضرت امام زین العابدین کے بعد حضرت امام محمد الباقرؑ کو اور ان کے بعد حضرت امام جعفر الصادقؑ کو چھٹا امام تسلیم کیا لہ اموی فوجوں سے مقابلہ میں حضرت زید شہیدؑ کو حضرت امام حسینؑ کی طرح چھوڑنے والے ان کے الفاظ کے مطابق روافض کہلائے۔ اور بیشتر مورخین نے شیعوں کو روافض ہی لکھا ہے اور شیعوں میں اسمعیلیوں کو ان کی باطنی تعلیم کی وجہ سے روافضِ باطنیہ کہا گیا ہے۔

لہ تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۸۵ و The History of Islam صفحہ ۳۲۱

نوٹ: زید یہ نظریۂ امامت بہت اہم و معنی خیز ہے اس پر ایک علیحدہ باب میں گفتگو کرنی چاہئے۔

تھا دوسرا اختلاف حضرت امام جعفرؑ کے جانشین کے سلسلہ میں ہوا۔ حضرت امام جعفر الصادقؑ نے ابتدا میں اپنے بیٹے حضرت اسمعیل کو اپنا جانشین یعنی ساتواں امام نامزد کیا تھا یا شیعی اصطلاح میں حضرت اسمعیل پر نص کی تھی لیکن حضرت اسمعیلؑ ۱۳۳ھ میں حضرت امام جعفر الصادقؑ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت امام جعفر الصادقؑ نے حضرت اسمعیل کے انتقال کے بعد اپنے تیسرے بیٹے حضرت موسیٰ الکاظمؑ کو اپنا جانشین امام نامزد کیا حضرت امام جعفر الصادقؑ کے متبعین اس موقع پر دو حصوں میں بٹ گئے ایک گروہ کا یہ خیال تھا کہ ایک مرتبہ کی ہوئی نص واپس نہیں ہوتی۔ لہذا اگر حضرت اسمعیل کا انتقال ہو گیا ہے تو چونکہ نص باپ سے بیٹے پر منتقل ہوتی ہے ساتواں امام حضرت اسماعیل کے بیٹے محمد کو ہونا چاہئے۔ اس دلیل کے بعد انہوں نے حضرت اسمعیل کے نو عمر بیٹے محمد کو امام تسلیم کر لیا۔ اس طرح حضرت اسمعیل پر کی ہوئی نص برقرار رہی۔ اور یہ لوگ حضرت اسمعیل بن امام جعفر الصادقؑ کی نسبت سے اسمعیلی کہلاتے۔ اور آئندہ امامت کا سلسلہ محمد بن اسمعیل کی اولاد میں جاری ہوا (جو حکومت کے حصول کے بعد امام محمد بن اسمعیل کے خلفاء کہلاتے اور عباسی خلفاء کے مقابل ان کو فاطمی خلفاء کہا گیا)۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ جن لوگوں نے حضرت موسیٰ الکاظم کو ساتواں امام تسلیم کیا وہ 'موسویہ' کہلاتے اور ۸۴۳ھ میں بلاتواں امام محمد المہدی کی غیبت کے بعد اثنا عشری (مہمصلہ T) کہلاتے

لہ حضرت اسمعیل بن جعفر الصادقؑ کے متعلق متعدد اور دلچسپ روایات ہیں۔

۱۔ اسمعیلیوں کے اور بھی نام ہیں۔ نوٹ: امامیہ (اثنا عشریہ) نے نص کی تبدیلی کا جواز اپنے عقیدہ ہمارے کے تحت پیش کیا ہے۔ ہمارے عقیدہ یہ ہے کہ (نعموزائش) اللہ تعالیٰ موقع و محل کے محکم و لافل و براہین سے مراد، مشور و معقودہ موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ اعتبار سے اپنا ارادہ تبدیل کر سکتا ہے۔

اور اُن کے مقابل اسمعیلی سبعیہ (Sevenci) کہلاتے۔
اس باب کی تکمیل سے قبل یہ ضروری ہے کہ امامیہ (اثنا عشری) عقیدہ
امامت بھی اجمالی طور پر بیان کر دیا جائے تاکہ ناظرین کے سامنے پورا منظر ہو۔

عقیدہ امامت (اثنا عشری) کا اجمالی بیان

- ۱۔ جناب نبی کریم کے بعد اُن کے جانشین و خلیفہ، امام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و مرسلین (جن کا انتخاب اُمت یا قوم نہیں کرتی) کی طرح مقرر اور نامزد ہوتے ہیں۔
- ۲۔ وہ نبی ہی کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔
- ۳۔ دنیا کبھی امام سے خالی نہیں ہوتی خواہ وہ ظاہر ہو یا غائب۔
- ۴۔ انبیاء و مرسلین ہی کی طرح اُن کی اطاعت اُمت پر فرض ہوتی ہے۔
- ۵۔ اُن کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے سب نبیوں سے بالاتر ہوتا ہے۔
- ۶۔ وہی اُمت کے دینی و دنیوی سربراہ اور حاکم ہوتے ہیں۔
- ۷۔ امت پر بلکہ ساری دنیا پر حکومت کرنا اُن کا اور صرف اُن کا حق ہے۔
- ۸۔ اُن کے علاوہ جو بھی حکومت کرے وہ غاصب و ظالم اور طاعوت ہے۔

لہ سبعیہ کہلانے کی اور بھی وجوہات ہیں۔ لہ ایرانی انقلاب صفحہ ۲۸
نوعطے، ائمہ کی جانشینی سے متعلق اختلافات صاف ظاہر کرتے ہیں کہ نظریہ امامت
ہنوز تشنہ تکمیل تھا۔ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے جیسا کہ 'ولایت الفقیہ' کے حالیہ فلسفہ سے ظاہر
ہوتا ہے۔

- (۹) امامت بغیر نص کے قائم نہیں ہوتی۔
 (۱۰) امام وقت کا جاننا واجب ہے۔
 (۱۱) امام حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے سکتا ہے۔

اسمعیلیہ کا عقیدہ امامت

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے امامیہ (اثنا عشری) اور امامیہ (اسمعیلیہ) میں شخصیتوں کی بنیاد پر اختلاف ہوا اس وجہ سے ان دونوں کے یہاں حضرت امام جعفر الصادقؑ کے بعد امامت کے سلسلے مختلف ہو گئے۔ لیکن عقیدہ امامت میں گو کوئی بنیادی فرق نہیں ہوا مگر اُس کو علم حقیقت (عالم روحانی و عالم جسمانی کی ابتدا و انتہا) کے ساتھ ایسا وابستہ کر دیا کہ اسمعیلیہ کا امام اثنا عشریوں کے امام سے بلند ہو کر اُلوہیت کے درجہ پر پہنچ گیا جیسا کہ باب ۱۰ اسمعیلی عقائد میں بیان کیا جائے گا۔

اسمعیلیہ کے مختلف نام

اسمعیلی، اسمعیل بن حضرت جعفر الصادقؑ کو امام تسلیم کرنے کی وجہ سے اسمعیلی کہلاتے۔

باطنیہ، اسمعیلیہ نے آگے چل کر قرآن پاک کے مطالب و معانی کے متعلق یہ عقیدہ پیش کیا کہ آیات قرآنی کے ایک معنی ظاہری ہیں اور ایک باطنی۔ باطنی معنی کا علم صرف امام کو ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اسمعیلیہ کو باطنیہ کہا گیا۔ دوسرے یہ لوگ خفیہ طریقے

سے گھروں میں چھپ چھپ کر دعوت دیتے تھے اس لئے بھی باطنی کہلاتے۔

سبعیہ: سات کو ماننے والے۔ اسمعیلیوں کے یہاں سات کا عدد خصوصی اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ آگے چل کر اسمعیلی عقائد کے باب میں بیان کیا گیا ہے اس کے علاوہ ان میں سے ایک گروہ کے عقائد کی رو سے حضرت اسمعیل / یا ان کے بیٹے محمد المکتوم ساتویں امام ہیں۔ لہذا یہ لوگ سبعیہ یعنی (Seven) کہلاتے اور ان کے مقابل اثناعشری (Twelve) کہلاتے۔ سبعیہ کہلاتے جانے کی اور بھی وجوہات بتلائی گئی ہیں۔

محمّرہ: بابک خرمی کی بغاوت کے دور میں یہ لوگ سرخ لباس پہنتے تھے اس لئے محمرہ کہلاتے۔

تعلیمیہ: مخلوق کو امام معصوم کی تعلیم کی طرف بلانے کی وجہ سے ان کو تعلیمیہ کہا گیا۔

میمونیہ: حمدان قرمط کے بھائی میمون نے فارس میں اسمعیلی دعوت دی لہذا قرامطہ کو فارس میں میمونہ بھی کہا گیا۔

بعض مورخین نے اسمعیلیہ کا ذکر ”روافض باطنیہ“ کے عنوان سے کیا ہے۔ بعض نے ’ملاحدہ‘ کے تحت کیا ہے۔ (تاریخوں میں اور بھی کئی نام آتے ہیں)

لہ بابک خرمی نے تیسری صدی ہجری کی ابتداء میں بغاوت کی۔

لہ ان میں مزدکی یعنی اشتر کی فکر کا بھی غلبہ تھا۔ ہو سکتا ہے موجودہ دور میں اشتر اکیوں کا سرخ لباس ’محمرہ‘ سے متعارف ہو۔ بہر حال فی زمانہ اشتر اکیوں کا طریقہ کار بھی اسمعیلیوں کے نظام دعوت سے ملتا جلتا ہے۔

اسمعیلیہ اقتدار کے مختلف ادوار

اسمعیلیوں میں مزید فرقوں میں تقسیم اور عقائد میں رد و بدل سمجھنے کے لئے اسمعیلیوں کے دنیاوی اقتدار کے مختلف ادوار پیش کئے جاتے ہیں،

۱۔ مغربی افریقہ، مصر، شام و حجاز ۲۹۷ تا ۵۶۷ھ اس دور کو فاطمی دور

خلافت کہا جاتا ہے۔ اسمعیلیوں نے سیاسی اقتدار کے حصول کے بعد اپنے امام کو خلیفہ بھی کہا اور عباسی خلفاء کے بالمقابل فاطمی خلفاء کہلویا کیونکہ اُن کا دعویٰ تھا کہ وہ صحیح النسب فاطمی ہیں۔ انہوں نے اپنے القاب بھی عباسیوں کے طرز پر رکھے۔

۲۔ شمالی ایران اور ملحقہ علاقہ ۲۸۳ تا ۴۵۴ھ ۱۰۹۰-۱۲۵۶ء

۳۔ محدود علاقوں میں مختصر مدتوں تک بالخصوص یمن میں، غرقا پیارٹوں اور شام کے ساحلی علاقہ میں۔

۴۔ ۳۵۰ھ میں بغداد پر ایک سال تک اسمعیلی (فاطمی) قبضہ رہا۔ ۱۰۵۸ء

فاطمی امام / خلیفہ

- | | |
|----------|-----------------------------------|
| ۹۰۹/۲۹۷ھ | ① ابو محمد عبد اللہ المہدی باللہ |
| ۹۳۲/۳۲۲ھ | ② ابوالقاسم محمد القائم بامر اللہ |
| ۹۴۵/۳۳۲ھ | ③ ابوطاہر اسمعیل المنصور باللہ |
| ۹۵۲/۳۳۹ھ | ④ ابوتیمم معد المعز لدین اللہ |

- ⑤ ابو منصور نزار العزیز باللہ ۹۷۵/۳۶۵ھ
- ⑥ ابو علی الحسین الحاکم بامر اللہ ۹۹۶/۳۸۶ھ
- ⑦ ابو معد علی الظاہر (لاعزاز دین اللہ) ۱۰۲۰/۴۱۱ھ
- ⑧ ابو تمیم معد المستنصر باللہ ۱۰۳۵/۴۲۷ھ
- ⑨ ابو القاسم احمد المستعلی باللہ ۱۰۹۵/۴۸۷ھ
- ⑩ ابو علی منصور الامر باحکام اللہ ۱۱۰۲/۴۹۵ھ ۱۱۳۰/۵۲۳ھ
- امام طیب کے نائبین
- ابو المیمون عبد المجید الحافظ لدین اللہ ۱۱۳۰/۵۲۳ھ
- ابو منصور اسمعیل الظافر لاعداء اللہ ۱۱۴۹/۵۴۳ھ
- ابو القاسم عیسیٰ الفاتر بامر اللہ ۱۱۵۴/۵۴۹ھ
- ابو محمد عبد اللہ العاضد لدین اللہ ۱۱۶۰/۵۵۵ھ ۱۱۷۲/۵۶۷ھ

نوٹ: فاطمیوں کو عبید اللہ المہدی کی نسبت سے 'مہدویہ' بھی کہا گیا۔ اور عباسیوں کے سیاہ لباس کے مقابل سفید لباس اختیار کرنے کی وجہ سے 'بیضہ' بھی کہا گیا۔



باب سوم

اسماعیلیہ کی شاخیں

قراٹہ

اسمعیلیوں نے قریباً سو سال تک (۱۳۳-۲۴۲ھ) محمد بن اسمعیل کے نام پر اپنی خفیہ دعوت (یعنی دینی و دنیاوی رہنمائی و حکومت کا حق بنی فاطمہ میں صرف محمد بن اسمعیل کا ہے) کا سلسلہ جاری رکھا۔ اُن کی دعوت کا مرکز شام میں سلمیہ اور ایران میں نہاوند رہا۔ اُن کے ائمہ موسویوں کے برخلاف قطعی طور پر مستور رہتے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اپنی جائے قیام بدلتے رہتے تھے۔ اُن کا عوام سے رابطہ صرف داعیوں کے ذریعہ ہوتا تھا۔ براہِ راست کوئی ان سے نہ مل سکتا تھا۔ اس لئے اُن کو ائمہ مستورین کہا جاتا ہے۔ اُن کے عقیدہ مندوں میں پہلا اختلاف امام احمد بن امام عبد اللہ بن امام محمد بن اسمعیل کے ۲۴۲ھ میں انتقال کے بعد ہوا۔ ایک گروہ نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ امام محمد بن اسمعیل ساتویں اور آخری امام ہیں جو قیامت سے قبل ظاہر ہوں گے جبکہ دوسرا گروہ ائمہ مستورین

المسلمون في إيران و بلاد ما وراء النهر من إسماعيلية (Iranian Muslims)

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کا سلسلہ محمد بن اسمعیل کی اولاد میں جاری رہنے کا قائل تھا۔ پہلے گروہ کا قائد داعی حسین اہوازی تھا یا حمدان قرمط۔ حمدان قرمط پستہ قد تھا اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھتا تھا۔ اس وجہ سے یہ قرمط کہلایا جانے لگا۔ حمدان قرمط کی آنکھیں سرخ تھیں۔ ایسے شخص کو نبطی زبان میں کرمیہ کہتے ہیں جو رفتہ رفتہ قرمط ہو گیا۔ بہر حال حمدان داعی کے لقب کی بنیاد پر اس سے اتفاق کرنے والے ’قرمطی‘ کہلاتے اور قرامطہ جمع ہے قرمطی کی۔ اس عقیدے میں اختلاف کے بعد حمدان قرمط نے ایک دوسرے داعی عبدالن کے ساتھ ^{۲۶۸}/_{۸۸۱ھ} میں کوفہ سے اپنی علیحدہ دعوت کا آغاز کیا۔ اس طرح قرمطیوں کا سلسلہ اسمعیلیوں کے مرکز سلیمہ سے کٹ گیا اور یہ ایک علیحدہ گروپ کی حیثیت سے کچھ عرصہ تک زندہ رہے۔^{۱۷}

فاطمی (مغربی اسمعیلی)

اسمعیلیہ کا دوسرا گروہ جو محمد بن اسمعیل کی اولاد میں امارت جاری رہنے کا قائل تھا اور جس کا مرکز سلیمہ تھا رفتہ رفتہ زور پکڑتا گیا۔ اُن کے داعی دُور دُور تک اسلامی ممالک میں خفیہ طریقوں سے فاطمی دعوت کے لئے نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ محمد بن اسمعیل کے انتقال کے بعد ہی یہ عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ساتویں اور آخری امام ہیں جو روزِ آخرت ظاہر ہوں گے۔ یہی لوگ تیسری صدی کے اواخر میں قرامطہ کہلاتے۔

۱۷ ”بعض مورخوں کو دھوکا ہوا ہے کہ قرامطہ سے اسمعیلی نکلے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسمعیلیوں کی کئی شاخیں ہوئیں جن میں پہلی اہم شاخ قرامطہ ہے“ ڈاکٹر زاہد علی تارخ فاطمیین مصر صفحہ ۱۴۲ جلد دوم۔

کام کرتے رہے۔ ابتدا میں اُن کو کین میں کامیابی ہوئی۔ لیکن پہلی سیاسی کامیابی شمالی افریقہ (مراکش اور برکے درمیان) میں ہوئی جہاں وہ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُن کا پہلا حکمران ابو محمد عبد اللہ المہدی باللہؒ ہوا۔ جو اسمعیلیہ کا گیارہواں امام اور خلیفہ بھی تھا۔ اس سلسلہ کے حکمرانوں نے عباسی خلفاء کے مقابلہ میں خود کو فاطمی خلفاء کہلویا اور یہ لوگ فاطمی کہلائے اگرچہ یہ کوئی علیحدہ شاخ نہ تھی۔ ائمہ مستورین کے مقابلہ میں ان حکمرانوں کو ائمہ ظاہرین کہا گیا۔

فاطمیوں کی شاخیں — دروزیہ/حاکمیہ

فاطمیوں میں ائمہ ظاہر کا جو سلسلہ ۲۹۷ھ سے شروع ہوا تھا وہ برابر چلتا رہا۔ ان میں پہلا اختلاف قریباً سو سال بعد ۴۱۱ھ میں امام و خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے انتقال کے بعد ہوا۔ فاطمیوں کے ایک گروہ نے حاکم کو (نحوذ باللہ) خدا مانا۔ اُن کے قائد مشہور عجمی داعی حسین بن حیدرہ فرغانی، حمزہ بن زوزنی اور محمد بن اسمعیل درازی تھے۔ محمد بن اسمعیل ایران میں ایک مقام 'دران' کا رہنے والا تھا اگرچہ اس فرقہ کا حقیقی بانی حمزہ بن زوزنی تھا لیکن محمد بن اسمعیل درازی کی نسبت سے یہ لوگ درازی کہلاتے جو رفتہ رفتہ 'دروزی' ہو گیا۔ اختلاف عقائد کے بعد یہ لوگ مصر سے لبنان چلے گئے اور وہی اُن کا صدر مقام ہو گیا اور اُن کا تعلق اُس زمانہ میں ہی مرکزی لہ مہدی کا اصل نام عبد اللہ تھا مگر یہ عبید اللہ کے نام سے مشہور ہوا حتیٰ کہ اس سلسلہ کے حکمران 'عبیدیوں' کہلائے۔ اور اصل نام کا انکشاف بعد میں ہوا۔ اس نے تقیہ کے طور پر اپنا نام عبید اللہ رکھ لیا تھا۔ (تاریخ فاطمیین مصر جلد اول صفحہ ۲۸)

اسمعیلی دعوت سے کٹ گیا۔ دروڑی آگے چل کر دو حصوں میں بٹ گئے عقّال اور جہال۔ جہال مذہبی پابندیوں سے آزاد ہیں۔

نزاریہ یا نزاری (مشرقی اسمعیلی)

فاطمیوں میں دوسرا اور شدید اختلاف اُن کے امام / خلیفہ المستنصر بالله کے انتقال کے وقت ۴۸۷ھ میں ہوا۔ المستنصر کے بیٹوں نزار اور مستعلیٰ میں حق امامت سے متعلق اختلاف ہوا۔ اس کشمکش میں نزار اور اس کا ایک بیٹا قتل ہوئے جبکہ نزار کے ایک بیٹے (الہادی یا المہندی) کو مشہور زمانہ حسن بن صباح پوشیدہ طریقہ سے ایران لے آیا۔ ایران میں اُس کی پرورش ہوئی۔ نزار اور اس کے بیٹے کے متعلق بہت سی روایات ہیں اور اختلاف کی نوعیت بالکل ایسی ہی ہے جیسی کہ حضرت امام جعفر الصادقؑ کے زمانہ میں حضرات اسمعیل اور موسیٰ کاظمؑ میں ہوئی تھی۔ بہر حال نزار اور اس کے بعد اس کی اولاد میں امامت کا سلسلہ جاری رہنے کا عقیدہ رکھنے والے 'نزاری' کہلاتے اور اُن کا مرکز ایران (قلعہ الموت) ہو گیا۔ ایران سے شام میں بھی اسمعیلی

لے موجودہ کیفیات علیحدہ باب میں دیکھئے۔

۱۷۷۱ء ان کو حشیشین بھی کہا گیا جس سے انگریزی لفظ Assassins نکلا۔ دیکھئے ڈکشنری Chamber's Twentieth Century or Concise Oxford Dictionary والا۔ دیکھئے

History of the Assassins از فان ہیم (ترجمہ) چارلس وڈ

۱۷۷۱ء یہ قلعہ قزوین کے شمال میں ضلع رودبار میں واقع تھا۔ اس کو "شکرے کا گھونسل" Eagle's nest کہا جاتا تھا۔ بعض نے اس کو گدھ کا گھونسل (Vulture's nest) بھی کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(نزاری) دعوت کا سلسلہ جاری رہا اور شام میں بھی نزاریوں کی خاصی تعداد رہی اگرچہ وہ آگے چل کر ایرانی مرکز سے علیحدہ ہو گئے۔ ایرانی نزاریوں میں بھی کچھ عرصہ کے بعد اختلاف ہوا۔ ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں نزاری امام شمس الدین محمد کے زمانہ امامت میں نزاری دو حصوں میں بٹ گئے۔ کچھ نزاریوں نے امام شمس الدین کے بیٹے قاسم شاہ کو امام تسلیم کیا اور باقی نزاریوں نے قاسم شاہ کے بھائی مومن شاہ کی اولاد میں محمد شاہ کو امام مانا۔ پہلا گروہ قاسم شاہی کہلایا اور دوسرا محمد شاہی۔ نزاری امامت (قاسم شاہی) کا سلسلہ ایران میں جاری رہا۔ اُن کی دعوت کے مراکز اذربائیجان، بابک، کہک، انجیدان، کرمان، یزد اور محلات رہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں اس سلسلہ کے امام حسن علی خاں المعروف بہ آغا خاں اول ^{۱۲۵۸ھ} _{۱۸۴۲ء} میں افغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔ اُن کا حلقہ اثر بمبئی و نواحی علاقوں میں رہا۔ آج کل اس سلسلہ کے ۴۹ ویں امام کریم الحسینی المعروف بہ آغا خاں چہارم ہیں۔ یہ نزاریوں کے حاضر امام صاحب الزماں کہلاتے ہیں۔

خوبے

ایران کی نزاری امامت کے داعیوں نے ایران و شام کے علاوہ شمالی ہندوستان کے صوبوں کشمیر، پنجاب، نیز گجرات میں بھی سرگرمی دکھلائی اس سلسلہ میں کئی نام آتے ہیں مثلاً نور الدین شاہ جو نورست گروہ کے نام سے مشہور ہوئے، پیر شمس سبزواری (جن کا مزار ملتان میں ہے) اور پیر صدر الدین ^{۱۲۵۸ھ} _{۱۸۴۲ء} (آغا خاں کا خطاب امام حسن علی خاں کو ایران کے حکمران فتح علی شاہ قاجار نے دیا تھا)۔

اور اُن کے بیٹے جنہوں نے ہندوؤں کے اصول اختیار کئے۔ ان داعیوں کی کوششوں سے جو لوگ اسمعیلی ہو گئے اُن کو خواجہ کہا گیا جو بگڑ کر 'خوجہ' یا 'کھوجہ' ہو گیا۔ ان لوگوں میں سے بیشتر نے آگے چل کر یا تو اہل سنت کے عقائد اختیار کر لئے یا اثنا عشریوں میں شامل ہو گئے۔ جو باقی رہ گئے اُن میں سے اکثر پنجاب، سندھ اور شمالی پاکستان میں موجود ہیں مگر یہ لوگ بمبئی و نواح کے خوجوں سے بالکل مختلف ہیں۔

امام شاہی / ست پنتھی

یہ نزاری سلسلہ کے ایک اور مبلغ سید امام الدین کے پیرو ہیں جن کی وفات ۱۱۸۲ھ میں ہوئی ان کا امام شاہی / ست پنتھی طریقہ کبیڑ پنتھی اور نانک پنتھی سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ اُن کی جماعت ایک شخص کے ہاتھ میں ہے جو 'کا کا' کہلاتا ہے جو عرصہ سے ہندو ہوتا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ باطنی طور پر مسلمان ہے۔ اُن میں کچھ ظاہری طور پر ہندو ہوتے ہیں جن کو 'گپتی' (پوشیدہ) کہا جاتا ہے اور جو ظاہری طور پر مسلمان ہوتے ہیں اُن کو مومنہ کہا جاتا ہے۔ یہ زیادہ تر گجرات (ہندوستان) میں ہیں اور نزاریوں کے دوسرے سلسلے یعنی آغا خانی جماعت کے سلسلہ امامت کے پابند نہیں تھے۔

مستعلویہ یا اسمعیلیہ (طیبی)

فاطمیوں کے وہ افراد جنہوں نے ۲۸۶ھ میں نزار کی بجائے المستنصر باللہ

۱۰۰۰ھ کو شیعہ محمد اکرام صفحہ ۳۵۰-۳۵۱ ۲۵۱ھ ایضاً

کے دوسرے بیٹے احمد المستعلی باللہ کو امام و خلیفہ تسلیم کیا وہ نزاریہ کے مقابل مستعلویہ کہلاتے۔ آگے چل کر مستعلویوں کے آخری امام / خلیفہ ابو علی منصوٰ الامر باحکام اللہ کو (اس اختلاف کی بنا پر جو چلا آرہا تھا) نزاریوں نے قتل کر دیا اور اُس کے کمسن بیٹے کو غائب کر دیا گیا یا مستعلی اصطلاح میں اس نے غیبت اختیار کر لی۔ اس طرح مستعلویہ میں دوبارہ دورِ ستر شروع ہو گیا جو تا حال جاری ہے۔ مستعلویہ میں بھی انتشار پیدا ہوا اور فاطمی خلافت مصر کے خاتمہ سے قبل ہی اُن کو اپنی دعوت کا مرکزِ یمین منتقل کرنا پڑا۔ اُن میں اگرچہ امام غیبت میں ہے لیکن دعوت کا سلسلہ داعیوں کے ذریعہ جاری ہے۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ اگرچہ امام طیب غائب ہو چکے ہیں لیکن اُن کی اولاد میں امامت کا سلسلہ برابر جاری ہے اگرچہ وہ امام وقت ہم کو نظر نہیں آتے۔ مستعلویہ کو یمین میں مختصر مدت کے لئے اقتدار بھی ملا لیکن وہ قریباً پانچ سو سال تک یمین میں خاموش زندگی گزارتے رہے۔ اُن کی دعوت کو اس درمیان میں ہندوستان میں کامیابی ہوئی اور اُن کا مرکز ۹۳۶ھ میں احمد آباد (گجرات) منتقل ہو گیا، ہندوستان میں پہلا داعی یوسف ۱۵۴۰ھ بن سلیمان ہے۔ احمد آباد میں ۲۶ ویں داعی داؤد بن عجب شاہ کے انتقال کے وقت ۹۹۹ھ میں مستعلویہ دو حصوں میں بٹ گئے۔ اُن کی اکثریت نے داؤد بن قطب شاہ کو ۲۷ واں داعی تسلیم کیا جبکہ یمین والوں نے سلیمان بن حسن کو ۲۷ واں داعی مانا۔ داؤد بن قطب شاہ کو داعی تسلیم کرنے والے 'داؤدی' کہلاتے جبکہ سلیمان بن حسن کو داعی تسلیم کرنے والے سلیمانی کہلاتے۔ یمین میں سلیمانی داعی موجود ہے اسی طرح برصغیر میں

لہ امام کی غیبت میں مصر میں نائبین نے ۵۲۲ھ سے ۵۶۷ھ تک حکومت بھی کی۔

پاک میں ۵۲ ویں داؤدی داعی سیدنا برہن الدین ہیں۔ یہ لوگ کلیتہً تجارت سے متعلق ہیں اس لئے بوہرے کہلاتے ہیں۔ بوہرہ کے معنی تاجر کے ہیں۔ ان میں داؤدی و سلیمانی بوہروں کے علاوہ علیہ اور مہدی باغ والے بھی ہیں ان کی زبان گجراتی ہے۔

(اس باب کا زیادہ تر حصہ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم فصل ۳۱ سے لیا گیا ہے)

نزاریوں (آغا خانیوں) میں حالیہ اختلاف

۱۹۵۶ء میں نزاریوں کے ۴۸ ویں امام سلطان محمد شاہ (آغا خاں سوم) کے انتقال کے بعد ان کے جانشین کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا۔ ایک طبقہ نے جو باپ کے بعد بیٹے کی امامت کے قائل ہیں کریم الحسینی کو جو آغا خاں سوم کے پوتے ہیں ۴۹ واں امام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ گروہ آغا خاں سوم کے بعد ان کے بیٹے علی سلمان خاں کو (جو شہزادہ علی خاں کے نام سے مشہور تھے) ۴۹ واں امام مانتا ہے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے دوسرے بیٹے امین الحسینی کو پچاس واں امام مانتا ہے (واضح رہے کہ اس اصول کو قائم رکھنے کے لئے نزاری حضرت علیؑ کے بعد حضرت حسنؑ کی بجائے حضرت حسینؑ کو امام مانتے ہیں)



باب چہارم

اسمعیلیہ کے اعتقاد (ابتدائی دور میں)

اگرچہ اس تالیف کا مقصد اسمعیلیہ کا تاریخی نقطہ نظر سے تعارف کرانا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اسمعیلیوں کے اعتقادات کا ذکر بھی ضروری ہے تاکہ اُن کے تاریخی کردار کا پس منظر بھی سامنے آ سکے۔ اس غرض سے ہم تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے صرف اہم ترین امور پر اکتفا کریں گے۔ ان امور میں سب سے پہلے اسمعیلی علوم آتے ہیں جن سے اُن کے عقائد اس حد تک وابستہ ہیں کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسمعیلی علوم

علومِ تاویل، شرعی احکام کی تاویل کو علمِ تاویل کہتے ہیں۔ اس علم کی بنیاد اس فکر پر ہے کہ تمام انبیاء کی شریعتیں رموز و مہتمولات پر مبنی ہیں جو تاویل میں بیان کی جاتی ہیں۔ یعنی جو شریعت کوئی نبی وضع کرتا ہے اُس کے احکام میں ایسے امور کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو اُس کا مقصود اصلی ہوتا ہے۔ تاویل کو شریعت کی حکمت، دین کا راز اور

لہذا یہ باب تاریخِ فاطمیین مصر حصہ دوم کے ابواب ۳۲، ۳۳، ۳۴ اور ۳۵ سے لیا گیا ہے۔

علمِ روحانی اور علمِ باطن بھی کہتے ہیں نبی کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو شریعت کے ظاہری احکام بتائے اور وحی کا کام یہ ہے کہ وہ اُن کو اُن کی تاویلوں سے آگاہ کرے۔ تاویلات کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اُن علماء کو بھی ہوتا ہے جو علم میں راسخ ہوتے ہیں یعنی انبیاء، اوصیاء اور ائمہ۔ تاویلات میں یکسانیت ضروری نہیں یعنی ایک حکم کی تاویلات ایک سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں کیونکہ تاویلات بیان کرتے وقت سامع کی لیاقت، تقاضائے وقت اور حد امکان کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اسی لئے علم تاویل خاص درجہ والوں کو سکھایا جاتا ہے ہر ایک کو نہیں۔

تاویل کے چند نمونے

باطن یا ماثول

نماز (ظاہر یا ماثول)

داعی کی دعوت میں داخل ہونا۔ یا حضرت رسول خدا کا اقرار کرنا کیونکہ صلوٰۃ اور محمد میں چار چار حروف ہیں۔

① نماز پڑھنا

امام کی طرف متوجہ ہونا۔

② قبلہ کی طرف متوجہ ہونا

رسول خدا صلعم کی دعوت میں داخل ہونا کیونکہ آپ کے نام محمد میں چار حروف ہیں اور ظہر کی بھی چار رکعتیں ہیں۔

③ ظہر کی نماز

حضرت علیؓ یا صاحب القیامہ کی دعوت میں داخل ہونا۔

④ عصر کی نماز

⑤ مغرب کی نماز

آدم کی دعوت میں داخل ہونا۔ کیونکہ لفظ
آدم میں تین حرف ہیں اور مغرب کی بھی تین
رکعتیں ہیں۔

⑥ عشاء کی نماز

چار نقیبوں کی دعوت میں داخل ہونا جو بارہ
نقیبوں میں بڑی فضیلت والے ہیں۔
مہدی اور اُن کی حجت کی دعوت میں داخل
ہونا۔

⑦ فجر کی نماز

امام۔ حجت اور سات ناطقوں کا اقرار کرنا
اور اُن کے درمیان فرق نہ کرنا۔

⑧ تکبیرۃ الاحرام (یعنی دونوں)

ہاتھوں کو چہرے کے مقابلے میں

لانا جس میں سات منافذ ہیں)

حجت کو امام سے نہ امام کو حجت سے
چھپانا۔

⑨ قیام کی حالت میں (ارسال)

البدین کرنا یعنی ایک ہاتھ کو

دوسرے ہاتھ پر ضم نہ کرنا)

حجت اور امام کی معرفت اور اطاعت۔

⑩ رکوع و سجود

لا الہ الا اللہ کی تاویل

حدود سفلیہ (اس لئے کہ اس میں نفی ہے)

حدود علویہ (اس لئے کہ اس میں اثبات ہے)

اساس

ناطق

لوح

① لا الہ (فصل اول)

② الا اللہ (فصل دوم)

③ لا (کلمہ اول)

④ الہ (کلمہ دوم)

⑤ الا (کلمہ سوم)

قلم
سات ناطق یا امام

④ اللہ (کلمہ چہارم)

⑤ سات فصلیں

لا-ا-لہ-ا-لا-ا-لہ

محمد رسول اللہ کی تاویل

اسرافیل - میکائیل - جبریل یا امام، حجت۔
لاحق۔

چھ ناطق جو اولوالعزم ہیں (نوح، ابراہیم،
موسیٰ، عیسیٰ اور آنحضرت صلعم)

بارہ لواحق یعنی تھتین جوز میں کے بارہ
جزائر میں بھیجے جاتے ہیں۔

[جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا
اس نے تمام دعوت کے حدود (ارکان) کا
اقرار کر لیا]

① تین کلمے

محمد رسول اللہ

② چھ فصلیں۔

محمد - ر - سو - ل - ا - لہ

③ بارہ حروف

م - ح - م - د - ر - س - و

ل - ا - ل - ل - ل - ہ

(داعی، امام، حجت، ناطق، اساس، لاحق وغیرہ اسمعیلی دعوت

کے ارکان ہیں۔ ان سے متعلق نقشہ آئندہ صفحات میں دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح
لوہ و قلم کا تعلق علم حقیقت سے ہے جس کا ذکر اسی باب میں کیا گیا ہے)۔
نوٹ: اسمعیلیہ مکمل قرآن پاک کی تاویلات ہر تہ نہ کر سکے کیونکہ
ایسا ممکن ہی نہ تھا۔

لہ تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۴۶۳ [تاریخ تفسیر و مفسرین میں اسمعیلیہ (باطنیہ)
سے متعلق پورا باب مطالعہ کے قابل ہے]

اسمعیلی تاویلات کے مآخذ

تاویلات جن کے نمونے اُوپر پیش کئے گئے ہیں وہ اسمعیلی داعیوں کی مرتب کردہ کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اس سلسلہ میں کئی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ کتابیں تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی ہیں۔ بعض کے صرف حوالے ملتے ہیں بعض موجود ہیں۔ ان کتابوں کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کو بلا اجازتِ امام نہیں پڑھا جاسکتا تھا۔ فارسی زبان میں حکیم ناصر خسرو علوی (جو مشہور اسمعیلی داعی تھا) کی کتاب 'وجہ دین' تاویلات ہی سے متعلق ہے دراصل اس کتاب سے ہی اسمعیلی تاویلات کا علم ہو سکتا۔ ورنہ یہ علم بھی ائمہ کی طرح مستور ہی رہتا۔ کیونکہ اسمعیلیہ کے یہاں کشف المستور کو ایمان کی کمزوری سمجھا جاتا ہے۔

تاویلات سے متعلق 'ایوانو' کی رائے^۱

اسمعیلی تاویلات سے متعلق ایک معروف کتاب 'اساس التاویل' ہے اُس کے متعلق ایوانو نے لکھا ہے:

"It is remarkable for its monotony and lack of originality."

ترجمہ: اس کی خصوصیت تکرار ہے اور اس میں ندرت کا فقدان ہے۔ ایک اسمعیلی فاضل خود اقرار کرتا ہے:

۱۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۱۹۲

۲۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۱۹۲

"This sort of hair splitting which they call
Tawil and Haqiqat is in attractive and incommen-^x

ترجمہ: اس قسم کی موٹگائیاں جس کو وہ تاویل اور حقیقت کہتے ہیں یورپی
ناظرین کے لئے کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں اور ان کے لئے ناقابلِ فہم ہیں۔
اسمعیلی فاضل کے اس اعتراف سے تاویلات کی نوعیت اور جو چیز
سمجھ سے بالاتر ہو اس کی افادیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تاویلات کے اثرات خود اسمعیلیوں پر

اگرچہ تاویلات بیان کرنے کے لئے یہاں تک احتیاط برتی جاتی تھی کہ داعیوں
کو یہ ہدایت تھی کہ ابتدا میں رمز و اشارہ سے کام لیا جائے (اس کا اصطلاحی نام
'حد الرضاع' تھا) تاکہ آہستہ آہستہ مقاصد کی تصریح کی جاسکے۔ لیکن اس کے باوجود
تاویلات کا علم جیسے ہی لوگوں کو ہوا تو انہوں نے ظاہری اعمال ترک کر دیئے
مثلاً جب یہ معلوم ہوا کہ 'جنت' سے مراد 'دعوت' ہے اور اعمالِ شریعت کے
ممشولات 'دعوت' کے ارکان ہیں تو ارکان کو تسلیم کر کے ظاہری اعمال سے
فراغت حاصل کر لی۔ اس اثر سے خود اسمعیلی داعی بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ ڈاکٹر
زاہد علی دوم معروف داعیوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب ان کو شراب کے
باطن کا علم ہوا تو انہوں نے شراب کو حلال سمجھ لیا۔ مختصراً تاویلات کی صحیح
حیثیت کے اخفار سے خود اسمعیلی کئی فرقوں میں بٹ گئے۔

لے وٹھ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۱۹۲

prehensible for a European reader."

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تاویلات کی حیثیت

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اسمعیلی اعتقادات کے اعتبار سے نبی کا کام صرف ظاہری شریعت بیان کرنا ہے اور تاویل بیان کرنا وحی یا ائمہ کا کام ہے۔ لہذا صاف واضح ہے کہ ائمہ کی اپنی حیثیت سے بیان کردہ تاویلات کی سند براہ راست احادیث نبوی میں تلاش کرنا عبث ہے۔ اس صورت میں ایک سیدھے سادے مسلمان کے لئے بھی اسمعیلی تاویلات کی حیثیت کے تعین میں کوئی مشکل نہیں رہتی۔

علم حقیقت

عالم روحانی اور عالم جسمانی کی ابتداء و انتہاء، رسالت، وصایت، امامت، قیامت، بعث و حشر سے متعلق بیان کو علم حقیقت یا حقائق کہتے ہیں ان حقائق کا اختصار قریب قریب ناممکن ہے کیونکہ ایک بیان دوسرے بیان سے اس طرح وابستہ ہے کہ جب تک پہلی بات تفصیلی طور پر سمجھ میں نہ آئے دوسری بات سمجھ میں آنا ناممکن ہے دوسرے اس میں اس قدر پیچ در پیچ ہیں کہ ان کو ذہن نشین کرنا ہی مشکل ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ مشتمل نمونہ از خروارے کے طور پر چند چیزوں سے متعلق حقائق پیش کر کے علم حقیقت کا تعارف کرا سکیں۔

عالم روحانی کی ابتدا

عالم ابداع | مبدع تعالیٰ نے ابتدا میں اپنی قدرت سے بے انتہا نورانی صورتیں آن واحد میں پیدا کیں جو حیات، علم، قدرت میں بساں تھیں۔ اُن کا جلال، شرف، فضل و کمال انتہائی تھا۔ ان صورتوں کا نام 'عالم ابداع' ہے۔

عقل اول | ان میں ایک صورت نے بغیر کسی تعلیم اور الہام کے اپنے مبدع کی وحدانیت کی گواہی دی اور اُسے 'علم ماکان و یکون' کی دولت مل گئی۔ عقل اول کے دوسرے نام مبدع اول، 'سابق'، 'قلم' ہیں۔

عقل ثانی و ثالث یا عقل عاشر | دو اور صورتوں نے پہلی صورت (عقل اول) کو دیکھ کر یکے بعد دیگرے

توحید کا اقرار کیا۔ ان دو صورتوں میں پہلی صورت کو سبقت کی وجہ سے علم ماکان و یکون مل گیا۔ اُس کے نام منبعث اول یا نفس کلیہ اور 'لوح' ہوتے۔ دوسری صورت (دویم سے دوسری) نے عقل ثانی کی سبقت کا اعتراف نہ کیا (یہ گناہ ہوا) لہذا اُس کو کوئی درجہ نہ ملا۔ اُس کو عقل ثالث کہا گیا لیکن گناہ کے اعتراف کے بعد 'عقل عاشر' کہلائی۔

دوسری سات عقلیں | عقل اول اور ثانی کی دعوت پر سات عقلوں نے دعوت کا جواب دیا۔ ہر عقل کے ساتھ صورتوں کی ایک بڑی جماعت اُن کی پیروی کرتی تھی۔

لے بغیر کسی تعلیم اور الہام کے قابل غور ہے۔

ہیولی اور جسم کلتی | عقلِ عاشتر نے (معافی گناہ کے بعد) اُن صورتوں کو جو
کی دعوت دی جو اُس کے اتباع میں گمراہ ہوتی تھیں۔
ان گمراہ صورتوں کا نام ہیولی اولیٰ ہے۔ مگر یہ گمراہ صورتیں راہِ راست پر نہ
آئیں اور اُن میں تاریکی بڑھتی گئی۔ اُن کی پہلی، دوسری اور تیسری حرکت سے
اُن کی ذات میں طول و عرض و عمق پیدا ہوا اور یہ صورتیں مجسم ہو کر جسم کلتی کی
صورت میں ظاہر ہوئیں۔ یہ سب کچھ عقلِ عاشتر کے ارادے سے ہوا اس لئے عقلِ
عاشتر کو عالمِ طبیعت کا مدبّر کہتے ہیں۔

تخلیقِ زمین و آسمان و شخصِ بشری کا ظہور

عقلِ عاشتر نے ان گناہ گار صورتوں سے افلاک و کواکب بنائے، ان ہی
سے عناصر یعنی پانی، مٹی، ہوا اور آگ تیار کی اور ان صورتوں کے ایک گروہ
سے صخرہ بنایا جو بہت سخت پتھر کا گولہ ہے اور افلاک کا مرکز ہے جس کے
گرد وہ گھومتے ہیں۔ صخرہ کو ہم زمین کہتے ہیں، افلاک و سیاروں کی حرکت سے
عناصر میں تبدیلیاں ہوتیں اور موالید ثلاثہ یعنی معدنیات، نباتات اور حیوانات
ظہور میں آتے۔ ہر سیارے کے دور میں لوگوں کے خاتمہ (جمع خیمہ) تیار ہوتے
تقریباً سچاس ہزار سال میں انسان وجود میں آیا۔ وہ اس طرح کہ مختلف مراحل
سے گذر کر دو قسم کے پانی ملنے سے ۹ ماہ بعد ایک شے بن گئی جو انسان کہلایا
ابتداءً نہ بچے تیار ہوتے پھر مادہ بچے پیدا ہوتے اور دنیا کے تمام جزیروں میں
انسان پیدا ہونے لگے۔

دنیا میں ۲۸ بہترین اشخاص اور صاحبِ جثہ ابداعیہ

بہترین انسان سرانندیپ (لنکا) میں پیدا ہوئے جن کی تعداد ۲۸ ہے ان میں سے ایک شخص کو بغیر کسی تعلیم اور الہام کے اپنے خالق کا خیال پیدا ہوا یہ باقی ۲۷ کا سردار بنا۔ یہ ۲۷ اولوالعلم کہلائے۔ (اسمعیلی دعوت کے بھی ۲۷ ارکان ہیں جن کا ذکر ہم آگے کریں گے)

ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے اب تک بیان کیا ہے اگرچہ وہ حد درجہ مختصر ہے اس کے باوجود اس قدر نامانوس ہے کہ اس سے ناظرین کی طبیعتوں پر گرانی ہوئی ہوگی لہذا صاحبِ جثہ ابداعیہ سے آگے سلسلہ کو منقطع کر کے حضرت آدمؑ تک پہنچنے کے لئے علم حقیقت کے اعتبار سے مختلف ادوار کا ذکر کرتے ہیں:

دورِ کشف | صاحبِ جثہ ابداعیہ کے زمانہ سے جو دور شروع ہوتا ہے وہ دور کشف کہلاتا ہے۔ اس دور میں امام ظاہر ہوتا ہے۔ تمام زمین پر اس کی حکومت ہوتی ہے۔ علم باطن چھپایا نہیں جاتا۔ بلکہ کھلم کھلا بیان کیا جاتا ہے۔ لوگ متقی اور پرہیزگار نکلتے ہیں اس دور کی مدت پچاس ہزار سال ہے۔ اس دور میں جو امام ظاہر ہوتا ہے وہ جثہ ابداعیہ کی نسل سے ہوتا ہے اور مستقر امام کہلاتا ہے۔

دورِ فترت | دورِ کشف کے ختم پر دین میں آہستہ آہستہ کمزوری آتی جاتی ہے ائمہ کے اضداد کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ تقریباً تین ہزار سال یہی صورت رہتی ہے۔ یہ دورِ فترت کہلاتا ہے۔

لے بغیر تعلیم والہام قابلِ غور ہے۔

دورِ ستر | دورِ فترت کے بعد دورِ ستر شروع ہوتا ہے۔ اس میں امام مخفی ہو جاتا ہے۔ اُس کے دشمن اُس کا حق چھین لیتے ہیں۔ فسق و فجور بڑھ جاتا ہے یہ دور سات ہزار سال رہتا ہے۔ اس دور میں کبھی کبھی مستقر امام بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس دور کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی جو اس دور (یعنی دورِ ستر) کے پہلے نبی ہیں۔

حضرت آدمؑ اور اُن کی حقیقت | دورِ فترت میں مستقر امام نے مخالفانہ حالات دیکھ کر خود کو بھی چھپایا اور علم باطن کو بھی عام لوگوں سے چھپایا۔ اور اپنی دعوت کے ارکان کے (جن کا ذکر ہم آگے کریں گے) ایک رکن کو جس کی مثال مٹی سے دی گئی ہے اپنا نائب بنایا اور اُسے یہ حکم دیا کہ وہ ظاہری شریعت کی طرف لوگوں کو بلائے لیکن علم باطن سوائے محققوں کے کسی کو نہ بتاتے یہی تفسیر حضرت آدمؑ کی پیدائش کی ہے۔ حضرت آدمؑ نے اپنے دشمن (شیطان) کی ترغیب پر علم باطن کے چند نکتے بیان کر دیئے۔ اس جرم کی سزا میں وہ جنت سے نکال دیئے گئے اور آنے والے دورِ ستر میں ظاہری دعوت کے صدر مقرر ہوئے۔

دورِ ستر میں مستورِ عین یعنی انبیاء کا قیام | دورِ ستر میں مستقر امام خدا کے الہام سے حسبِ ضرورت اپنی جگہ پر اپنے نائب کو مقرر کرتا ہے جس کو مستورِ عین یعنی نبی کہا جاتا ہے اور خود عوام کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے جب مستورِ عین سمجھا جاتا ہے تو خود بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ مستقر امام بھی تھے اور نبی بھی۔ وہ ظاہری شریعت کے علاوہ علم باطن کے بھی مالک تھے اُن کی (حضرت ابراہیمؑ کی) ذریت میں مستقر اماموں کا سلسلہ عید المطلب

تک پہنچا۔ اُن کے دو فرزند ہوئے ایک حضرت عبداللہ اور دوسرے ابوطالب حضرت عبداللہ کو عبدالمطلب نے (جو مستقر امام تھے) ظاہری دعوت کا صد بنایا اور حضرت ابوطالب کو باطنی دعوت کا صدر بنایا۔ حضرت عبداللہ کے قائم مقام حضرت محمدؐ اور حضرت ابوطالب کے قائم مقام حضرت علیؑ ہوئے۔ گویا رسولِ خداؐ شریعت ظاہری کے مالک اور حضرت علیؑ دعوتِ باطنی کے صدر قرار پائے لہذا ان ہی کی نسل سے قیامت تک ائمہ قائم ہوں گے۔ آخری امام قائم القیامہ ہوگا جو دورِ کشف کا پہلا امام ہوگا۔ اس کے بعد پھر دورِ فترت اور اُس کے بعد دورِ ستر واقع ہوگا جب تک کہ جسمانی عالم کے تمام گناہ گار نفوسِ نجات نہ پا جائیں گویا دنیا کے ختم ہونے تک پہلے انسان یعنی صاحبِ جِشہ ابداعیہ ہی کی نسل میں امامت کا سلسلہ باقی رہے گا۔

www.KitaboSunnat.com

نبوت سے متعلق بیان کے بعد ہم ارتقارِ نفوس مطیعہ (نیکوکار) اور انحطاطِ نفوسِ عاصیہ (گناہگار) یعنی نیکوں اور گناہ گاروں کے انجام کے متعلق صرف اتنا کہیں گے کہ وہ بہت حد تک ہنود کے فلسفہ تناسخ سے ملتا جلتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ بیان کافی طویل ہے۔ ہم اس میں صرف گناہگاروں کا انجام بیان کرتے ہیں:

”گناہگار کا نفس انتقال کے وقت جسم سے علیحدہ نہیں ہوتا بلکہ جسم میں شائع ہو جاتا ہے یعنی پھیل جاتا ہے۔ دفن کے بعد اُس کے جسم کے اجزاء عناصرِ اربعہ میں مل جاتے ہیں۔ مدبرِ عالم اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر یہ بخار کی شکل میں اوپر چڑھتے ہیں اور پانی بن کر برستے ہیں۔ اُن سے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کو ایسے آدمی کھاتے ہیں جو وحشی ہوتے ہیں اور جن میں

تہذیب کم ہوتی ہے۔ پھر یہ آدمی مرتے ہیں اُن کے اجسام مٹی میں تحلیل ہو کر بُرے حیوانات نباتات اور معدنیات کے مختلف برازخ (جمع برزخ) طے کرتے ہیں۔ پھر ترقی کرتے کرتے معدنیات سے نباتات، نباتات سے حیوانات اور حیوانات سے انسان بنتے ہیں۔ یہ سب عذاب کے قُصص (جمع قِصص) یعنی لباس کہے جاتے ہیں۔ انسان بننے کے بعد پھر یہ ایمان کی طرف بلائے جاتے ہیں اگر انہوں نے ایمان کی دعوت قبول کی تو خیر، ورنہ انہیں پھر وہی پرانا عذاب بھگتنا پڑتا ہے۔ اس طریقے کا نام 'سحیق' اور 'مزاج' و 'مترج' رکھتے ہیں۔

۱ امامِ علمِ خدا کا خازن اور علمِ نبوت کا وارث ہے۔
۲ اُس کا جوہر سماوی اور اُس کا

علمِ علوی ہوتا ہے۔

۳ اُس کے نفس پر افلاک کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اُس کا تعلق اُس عالمِ سو ہے جو خارج از افلاک ہے۔

۴ اُس میں اور دوسرے بندگانِ خدا میں وہی فرق ہے جو حیوانِ ناطق اور غیر حیوانِ ناطق میں ہے۔

۵ ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے۔

۶ امام ہی کو دنیا پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔

۷ امام معصوم ہوتا ہے اُس سے خطا نہیں ہو سکتی۔

۸ ہر مومن پر امام کی معرفت واجب ہے۔

۹ امام کی معرفت کے بغیر نجات ناممکن ہے۔

۱۰ باری تعالیٰ کے جو اوصاف قرآن مجید میں وارد ہیں اُن سے حقیقت میں ائمہ

موصوف ہیں۔

① ائمہ کو شریعت میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار ہوتا ہے۔

قائم القیامہ اور اُس کا ظہور | صاحبِ جثہ ابداعیہ کا نفس انتقال کے بعد عقلِ عاشق (مدبرِ عالمِ جسمانی)

کا خلیفہ بنتا ہے۔ عقلِ عاشقِ عقلِ تاسع کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس طرح سات عقل ترقی پا کر منبعثِ اول کے دائرے میں داخل ہوتی ہیں۔ صاحبِ جثہ ابداعیہ کے ترقی پانے کے بعد اُس کا بیٹا اُس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اُس بیٹے کا نفس اور اُس کی نسل سے جتنے امام ظاہر ہوتے ہیں اُن کے نفوس صاحبِ جثہ ابداعیہ کے ضمن میں ٹھہرتے ہیں اور مختلف مراحل طے کر کے عقلِ عاشق بنتے جاتے ہیں اس طرح ہر دس ہزار برس میں ایک قائم القیامہ کا ظہور ہوتا ہے جو انتقال کر کے عقلِ عاشق کا خلیفہ بنتا ہے اور آئندہ ترقی پاتا ہے۔

علمِ حقیقت کے مآخذ | علمِ حقیقت کے مآخذ اخوان الصفا کے رسائل ہیں ان رسائل کے متعلق ہم آئندہ باب میں گفتگو کریں گے۔

یہاں صرف اتنا کہیں گے کہ آج تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ یہ کس نے ترتیب دیئے ہیں۔ اُن کے زمانہ میں بھی اختلاف ہے۔ بہر حال اُن کو اسماعیلی تسلیم کیا گیا ہے اور یہ کہ اُن کا زمانہ تیسری صدی ہجری کا کہا جاسکتا ہے۔ قریب ہر محقق نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان رسائل کے مندرجات یونانی، ہندی، بوسنی اور عیسائیوں کے فلسفوں پر مبنی ہیں۔

علمِ حقیقت سے متعلق محققین اور متشرعین کے تاثرات سے قبل ہم اخوان الصفا کے اخلاقی نظام سے ایک ٹکڑا پیش کرتے ہیں جس سے یہ

۱۔ شیخ، از علامہ سید محمد حسین طباطبائی صفحہ ۸۲

ظاہر ہوگا کہ اُن کے فلسفہ کے اعتبار سے ایک اکمل بااخلاق انسان کون ہو سکتا تھا۔

”انسان وہ ہے جو مشرقی ایرانی نسل سے ہو۔ عربی دین رکھتا ہو۔ عربوں کا ساز و دھم ہو۔ چال چلن میں مسیح کے پیروں کا سا ہو۔ خلق، زہد اور ورع میں مثل شامی درویشوں (ابدالوں) کے ہو۔ اہل یونان کی طرح علوم سے باخبر ہو۔ اہل ہنود کی طرح کشف و اسرار پر قدرت رکھتا ہو اور بالآخر خصوصیت کے ساتھ اس کی کل زندگی روحانی صوفی کی سی ہو۔“
(دنیاۓ اسلام میں کیا ہم کسی شخص کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس معیار پر پورا اترتا ہے؟)

علم حقیقت کے دیو مالائی انداز کے ثبوت میں مندرجہ بالا ٹکڑا ہی کافی ہے اور اُس پر طرفہ تماشایہ کہ اخوان الصفا کے رسائل میں جگہ جگہ اخفا کی ہدایت ملتی ہے۔ ”الشخص الفاضل“ بار بار یہ کہتا نظر آتا ہے کہ ہم صراحت سے بیان نہیں کر رہے۔ اخفا کی ایک حیرت انگیز مثال یہ ہے کہ اخوان الصفا کے رسائل کے لئے ایک ’سری کتابت‘ ایجاد کی گئی۔ ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں: ”ان رسالوں میں کتابت سریہ، یعنی مخفی تحریر استعمال کی گئی ہے۔ حروف کی بجائے علامتیں لکھی گئی ہیں مثلاً ’النطقار‘ جو خاص اسمعیلی اصطلاح ہے۔ اس کی جگہ ”۲ لہر ۷ ہے ۲“ گویا ۲ علامت ہے ’الف‘ کی اور لہ علامت ہے لام کی۔ اسی طرح ہر حرف کے لئے ایک علامت مقرر کی گئی ہے تاکہ غیر اسمعیلی اسرارِ دعوت پر مطلع نہ ہو سکیں۔“

اسمعیلیہ کے علوم خصوصی کو سمجھنے کی کوشش کرنے والے جب اس سٹیج پر پہنچتے ہیں تو بہت جواب دیتی نظر آتی ہے۔ مغربی محققین لائق تحسین ہیں کہ

انہوں نے ہمت نہیں ہاری مگر وجوہات کی وضاحت بھی کی ہے۔

VATIKIOTIS لکھتا ہے:

”تاریخوں میں مطلق ذکر نہیں ہے کہ کب اور کس نے اسمعیلی دعوے کی ابتدا کی۔ دوسری طرف اسمعیلی اور فاطمی دعوت کے مطالعہ میں اس فرقہ کی عجیب و غریب خصوصیات سے تاریکی میں اضافہ ہوتا ہے۔ پہلی تو اس تحریک کا انداز ہی مخفی ہے۔ دوسری ’ستر‘ اور ’تقیہ‘ اسمعیلیہ کے یہاں اصول الدین والايمان ہیں۔ کشف المستور کو ایمان کا ضعف اور کمزوری سمجھا جاتا ہے“

یہ صورت حال اب تک جاری ہے جس کا ذکر ہم پہلے ہی کر آئے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔

علم حقیقت میں ہندی فلسفہ کی نشاندہی

① ڈاکٹر ناہد علی علم حقیقت کے مطابق مختلف ادوار (دورِ کشف، دورِ فترت اور دورِ ستر) کے متعلق لکھتے ہیں:

”ان ادوارِ ثلاثہ کا مقابلہ ہندی فلسفہ کے چار یوگوں (۱) کریتا یوگا (۲) تریتا یوگا (۳) کالی یوگا سے کیا جاسکتا ہے۔ پہلے یوگا میں محض خیر ہی ہوتا ہے۔ گھٹتے گھٹتے کالی یوگا میں خیر کا صرف چوتھا حصہ رہ جاتا ہے۔ یعنی شر خیر پر غالب ہو جاتا ہے پھر کریتا یوگا شروع ہوتا ہے اسی طرح عالم کا نظام جاری رہتا ہے۔

② عقول کی ایک درجہ سے دوسرے درجہ پر ترقی اور پھر واپسی کے متعلق

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

”ہندو فلسفہ کے مطابق تمام روحیں ترقی کے مدارج طے کر کے بالآخر برہما میں داخل ہو جاتی ہیں جہاں سے وہ کبھی واپس نہیں ہوتیں۔“
(تاریخ ہندی فلسفہ صفحہ ۸۰ مطبوعہ جامع عثمانیہ)

③ گناہگاروں کے انجام یعنی ”سحیق“ کی ہندی فلسفہ سے مطابقت اس طرح بتلائی ہے:

”جن لوگوں نے خیرات کے کام کئے مثلاً کنواں کھدوانا وغیرہ مرنے کے بعد ان کی روح پہلے دھویں میں داخل ہوتی ہے پھر اندھیری راتوں سے گذرتی ہوئی چاند تک پہنچتی ہے اور جب تک اُس کے نیک کام باقی رہتے ہیں وہاں مقیم رہتی ہے پھر اُس کے بعد پتھر، ہوا، دھواں، کھر بادل، بادل، بارش، نباتات، غذا اور تخم سے ہوتی ہوئی انسان کی غذا کی مطابقت سے رحم مادر میں داخل ہوتی ہے اور پھر پیدا ہو جاتی ہے۔“
(تاریخ ہندی فلسفہ از رائے شیو موہن لال صفحہ ۸۰ مطبوعہ جامعہ عثمانیہ)

قدیم یونانی فلسفہ کی نشاندہی

① زمین و آسمان کی خلقت کے سلسلہ میں سیاروں کے دور میں انسانوں کے خاتمہ تیار ہونے کے متعلق لکھتے ہیں:

”اسی طرح اور دوسرے سیاروں کے ادوار میں مختلف خاتمہ بنے۔ اُن کی تفصیلات قدیم یونانی فلسفہ سے دیکھی جاسکتی ہیں۔“

② ”قائم النیام“ کے دس ہزار سال میں ظہور سے متعلق لکھتے ہیں:

”افلاطون بتاتے ہیں کہ ایک نفس کو تمام ترقی کے مدارج طے کرنے

کے لئے دس ہزار سال لگتے ہیں۔“

(Every Body's Book of Facts - by Dunbar. P.354)

③ اخوان الصفا کے رسائل کے متعلق جو علم حقیقت کا سرچشمہ ہیں یہ عبارت تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۲۷۵ پر موجود ہے:

”اُن رسائل کے علوم و فنون کا مآخذ اخوان الصفا کے قول کے مطابق یونانی فلسفہ ہے خصوصاً وہ حصہ جو ارسطو اور نوافلاطونی جماعتوں کی تعلیم سے تعلق رکھتا ہے“

اس بیان کی تصریح اس طرح کی گئی ہے:

”Plotinus (متوفی ۲۶۹ء) کہتا ہے کہ باری تعالیٰ پر

لفظ واحد کا اطلاق کرنا بھی درست نہیں۔ وہ ان اوصاف سے اعلیٰ اور افضل

ہے۔“ [ارسطو کا مذہب، ادیری کی کتاب (Arabic Thoughts and ...

ڈاکٹر زاہد علی کے علاوہ ڈبلو۔ ایوانو (W. Ivanov) نے، جسٹس

امیر علی نے، وائی کیوٹس (VATIKIOTIS) نے اسماعیلیوں کے علم حقیقت میں

ایرانی، یونانی اور عیسوی اور دیگر فلسفوں کے غلبہ کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے

ان کی کتابوں سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

“The most prominent element of this

system is Neo-Platonic philosophy

Thus, the natural philosophy of Ismailism

with its idea of organic and inorganic

world, psychology, biology etc, is to some extent

based on Aristotal and partly on Neo-

(Shorter Encyclopaedia of Islam)

(Shorter Encyclopedia of Islam)

۲) ترجمہ، ”ستاروں سے وابستہ اعتقادات“ اعداد اور حروف کے (بالخصوص سات سے متعلق) توہمات سے پُر باطنی معافی اسمعیلی قیاسات میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔“

③ "He (Abdullah ibn Maimun) moulded his doctrines partly upon those actually taught by Mani and partly upon those of the Muslim mystics." Amis Ali ..

(The Spirit of Islam - ۳۳۲)

③ ترجمہ: "اُس (عبد اللہ ابن میمون) نے اپنے اصول جزوی طور پر مانی کی حقیقی تعلیمات پر مرتب کئے اور جزوی طور پر مسلمان صوفیاء کی"

④ "Most of the Accounts, nevertheless, point to one safe Conclusion, namely, the Syncretic origin of the movement. Its development was gradual and varied. The evolution of the doctrine into radically extremist beliefs is further proof of the assimilation of non-muslim cults and legends into its fold. Pre-Islamic Judaic-Christian, Hellenistic and Persian peculiarities were slowly fused into what came to be known as the Batiniyya Movement." Vatikiotis (The Fatimid Theory of State) ... P. 13.

⑤ ترجمہ: زیادہ تر بیانات صرف ایک ہی قابل اعتماد نتیجہ کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس تحریک (اسمعیلی مذہب) کی ابتداء مختلف النوع

عقائد کے مجموعے سے ہوئی۔ اُس نے بتدریج ترقی کی۔ اس تحریک کے انقلاب و انتہا پسند اصول اس امر کا مزید ثبوت ہیں کہ اُس میں غیر اسلامی مسلکوں اور فرضی داستانوں کی شمولیت ہے۔ رفتہ رفتہ قبل از اسلام یونانی اور ایرانی نیز یہود و نصاریٰ کی خصوصیات کا ایک مرکب تیار ہوا جس کا نام تحریک باطنی (اسمعیلی مذہب) ہوا۔

اس باب کے اس حصہ کو ہم علامہ سید محمد حسین طباطبائی (معروف شیعی عالم) کے تاثرات پر ختم کرتے ہیں:

"The Ismailies have a philosophy in many ways similar to that of Sabians (star worshippers) combined with Hindu gnosis."
(SHIA)

ترجمہ: "بہت سے مسائل میں اسمعیلیوں کا فلسفہ صابیوں (نجوم پرستوں) سے ملتا جلتا ہے جس میں ہندی فلسفہ بھی شامل کر لیا گیا ہے۔"

علم حقیقت میں تضاد و تناقض

’اخوان الصفا‘ کے رسائل کے متعلق جو علم حقیقت کے مآخذ ہیں ڈاکٹر زاہد علی جنہوں نے یقیناً اُن کا گہرا مطالعہ کیا ہوگا لکھتے ہیں:

”بعض موقعوں پر اخوان الصفا کی تعلیم میں تضاد و تناقض پایا جاتا ہے۔ عام طور پر تعلیم دی جاتی ہے کہ انسان کو اجتہاد کرنا چاہیے اور دین دنیا

۱۔ VATIKIOTIS نے اپنی کتاب میں بہت پر معنی الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے متبادل مفرد الفاظ اردو زبان میں نہیں ملتے۔ ۲۔ سیرہ ص ۷۸

میں اپنی کامیابی کے اسباب پیدا کرنے چاہئیں۔ اور ایک مقام پر کہا جاتا ہے کہ تمام حوادث جو فلکِ قمر کے نیچے واقع ہوتے ہیں وہ سب کو اکب کے اثرات سے ہوتے ہیں۔ خوش قسمتی اور بد قسمتی انہی اثرات کے نتیجے ہیں۔ بعض باتیں جو محض اتفاقی ہیں اُن کو اخوان الصفا نے حقیقت کے پیرائے میں ظاہر کر کے اُن سے عجیب عجیب استدلال کیا ہے چنانچہ حروفِ تہجی کی تعداد اٹھائیس ہے اس تعداد کا مقابلہ چاند کی منزلوں۔ انسان کی انگلیوں کے جوڑوں، پیٹھ کے مہروں وغیرہ میں بھی لایا گیا ہے۔

ان تاثرات کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے اسمعیلی فاضل کے تاثرات جو بیک وقت علمِ ناویل و علمِ حقیقت کے متعلق ہیں پہلے ہی پیش کئے جا چکے ہیں۔ ان تاثرات میں کہا گیا ہے کہ علمِ حقیقت کی موشگافیاں اہلِ یورپ کی فہم سے بعید ہیں۔ اس صورتِ حال کے باوجود اسمعیلی عقیدت کا یہ حال ہے کہ جس کو اس دور میں علم و فضل کے مدعی یعنی اہلِ مغرب تک سمجھنے سے قاصر ہیں، جن کے مرتبین کا صحیح علم اب تک نہ ہو سکا ہے اور نہ ہونے کی امید ہے۔ اسی طرح جن کا صحیح زمانہ نہ اب تک متعین ہو سکا ہے اور نہ ہونے کی امید ہے اُن رسائل کو 'قرآنِ الائمہ' کہا جاتا ہے۔

کلامِ ربّانی کے مقابل کلامِ انسانی !!
اور اس پر اسمعیلیہ کا دعویٰ مسلمان

خامہ انگشتِ بندگان ہے اسے کیا لکھیے

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

لہ تارخِ فاطمیین، مصر، حصہ دوم، صفحہ ۲۳۲ بحوالہ المسائل السیفیہ۔

علم فقہ

اسمعیلی فقہ میں قیاس اور رائے کو دخل نہیں۔ ہر حکم نص قطعی کا محتاج ہے جس کے لئے اُن کے یہاں ہمہ وقت امام / نائب امام موجود ہے۔ اُن کے یہاں ارکان دین سات ہیں۔ ① ولایت (امام سے محبت اور اس کی اطاعت) ② طہارت (اتقا) ③ صلوٰۃ ④ زکوٰۃ ⑤ حج ⑥ روزہ اور ⑦ جہاد۔ ان سب میں ولایت سب سے افضل ہے جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ان میں توحید و رسالت نہیں ہے۔ اس علم میں سب سے زیادہ نامور شخصیت قاضی نعمان بن محمد کا ہے۔

اسمعیلی دعوت کا نظام

’دعوت‘ کے معنی بلانے کے ہیں اور داعی بلانے والے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر ہر مسلمان کو داعی الی اللہ سمجھا جاتا ہے لیکن اسمعیلیوں نے اپنے یہاں ایک نظام دعوت ترتیب دیا جس کے ارکان، مدارج، فرائض و ذمہ داریاں مستحکماً (and functions) متعین شدہ نظر آتی ہیں۔ ان ارکان (جن کو اسمعیلی اصطلاح میں ’حدود‘ کہتے ہیں) میں نبی و امام بھی شامل ہیں۔ اس نظام کی تشکیل بالکل اُسی انداز پر نظر آتی ہے جیسے کسی انجمن یا سوسائٹی کی ہوتی ہے

لے حیرت ہے کہ قاضی نعمان بن محمد کو بھی صحیح العقائد اسمعیلی نہیں سمجھا گیا۔ کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں اسمعیلی نہ تھے۔ (تاریخ فاطمیتین مصر حصہ اول، صفحہ ۸۶)

یہ نظام اسمعیلیوں کے علم تاویلات و علم حقیقت سے وابستہ ہے جس کے نمونے گزشتہ صفحات میں دیئے جا چکے ہیں۔ اب دورِ ستر میں اسمعیلی دعوت کا نظام پیش کیا جاتا ہے:

ارکان	عہدے	فرائض
صدر دعوت	① نبی ② وصی (نبی کے بعد) جس کا دوسرا نام صامت ہے۔	ظاہری شریعت کی تعلیم باطنی علوم کی تعلیم
بارہ باطنی مددگار (ان میں امام کا خاص اور اول مددگار شامل ہے جسے باب الابواب کہتے ہیں)	③ امام (وصی کے بعد) لیلیٰ حجتیں (حجت کو کفیل بھی کہتے ہیں)	ظاہری شریعت کی حفاظت اور باطنی علوم کی تعلیم۔ باطنی علوم کی تعلیم۔ یہ لوگ امام کے حضور میں رہتے ہیں اور ان پر جہاد فرض نہیں ہے۔
بارہ ظاہری مددگار	نہاری حجتیں	ظاہری شریعت کی تعلیم۔ بارہ جزیروں میں زمین کو تقسیم کیا گیا ہے اور ہر جزیرے میں ایک حجت بھیجا جاتا ہے نہاری حجتوں پر جہاد فرض ہے۔
مبلغین جو نبی یا وصی یا ① داعی البلاغ		ظاہری شریعت کی حفاظت اور باطنی

امام کی طرف سے تبلیغ کے لئے بھیجے جاتے ہیں

② داعی مطلق

علوم کی تعلیم -
امام کی غیبت کے زمانہ میں امام کا قائم مقام -

③ داعی الدعاة

تمام داعیوں کا صدر -

داعی کا اول مددگار

ماذون

مستجیب سے عہد و میثاق لینا (اذن کے معنی اجازت کے ہیں یعنی داعی نے ماذون کو عہد لینے کی اجازت دی ہے۔ مستجیب کے پہلے مذہب کو باطل ٹھہرا کے اپنا مذہب ثابت کرنا۔ مکاسر سے بنا ہے اور کسر کے معنی توڑنے کے ہیں۔ کیونکہ وہ باطل مذہبوں کو توڑتا ہے۔

داعی کا دوسرا مددگار

مکاسر

نوٹ: حسب ضرورت نئے عہدے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں۔

اسمعیلی دعوت کے مدارج

تاریخی اعتبار سے اسمعیلی دعوت کا مرتب ایرانی داعی ابو شاکر میمون القدر یا اُس کا بیٹا عبد اللہ ہے۔ یہ دونوں مختلف ادیان اور یونانی فلسفہ کے ماہر تھے میمون کا اصلی مذہب مجوسی تھا لیکن وہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتا تھا اور اہل بیت کی طرف دعوت دیتا تھا۔ انہوں نے خلیفہ ابو منصور (۱۳۶-۱۵۸ھ) کے زمانہ

میں آگے چل کر فان بمیر اور امیر علی کا بیان نقل کریں گے کہ یورپ میں خفیہ انجمنوں کے خطوط قاہرہ اور المود سے جاتے ہیں۔ یہ نظام دعوت اس کا ثبوت ہے۔

میں قید خانہ میں اپنے مذہب کے ۹ مدارج مرتب کئے۔ اسمعیلی روایات کے مطابق میمون القلاح اور اس کا بیٹا اسمعیلی امام مستور محمد المکتوم بن اسمعیل اور ان کے بیٹے عبد اللہ المستور کے حجت (کفیل) تھے۔

خواجہ حسن نظامی نے مقریزی (مشہور مورخ) کے حوالہ سے اپنی کتاب 'فاطمی دعوت اسلام' میں حسب ذیل مدارج نقل کئے ہیں:

پہلی دعوت داعی پہلی مجلس میں مدعو سے مشکل اور پیچیدہ سوالات کر کے اُس کو عاجز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے: "اے شخص اسرارِ دین پوشیدہ ہیں اور اکثر لوگ اُن کے منکر اور ان سے جاہل ہیں اگر مسلمان ان باتوں کو جان لیتے جو اللہ تعالیٰ نے ائمہ اہل بیت سے خاص کی ہیں تو ان میں اختلاف نہ ہوتا۔ مگر اہی کا سبب ائمہ دین سے روگردانی ہے۔ حق یہ ہے کہ ائمہ ہی تنزیل و تاویل قرآن سے آگاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم دین کو پرے میں مخفی رکھا ہے۔"

اس کے بعد اس سے تاویلات سے متعلق باتیں بتلائی جاتی ہیں اور عہدِ پیمان کی طرف راغب کیا جاتا ہے اور مدعو سے کچھ رقم امام کی نذر کے طور پر مانگی جاتی ہے۔ اگر مدعو یہ رقم دے دیتا ہے تو دوسری مجلس یا نشست میں شرکت کا اہل ہو جاتا ہے۔

دوسری دعوت اس نشست میں مدعو کو بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اُس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک وہ ائمہ حق کی پیروی نہ کریں۔ پھر ان امور کی شرح کی جاتی ہے جو اسمعیلی

لے ایک بیان کے مطابق یہ ابتدا میں سات تھے۔ دلائل و براہین بہار

لے تاریخ تفسیر و مفسرین میں بھی ان مدارج کا ذکر ہے۔ صفحہ ۱۱۱-۱۱۲

مذہب کی کتابوں میں مذکور ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مدعو کہاں تک آگے بڑھا ہے۔

تیسری دعوت | تیسری مجلس میں ائمہ حق سے روشناس کرایا جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں:

① حضرت علیؑ ② حضرت حسنؑ ③ حضرت حسینؑ ④ حضرت زین العابدینؑ ⑤ حضرت محمد الباقرؑ ⑥ حضرت جعفر الصادقؑ اور ساتویں قائم صاحب الزماں جو بعض کے نزدیک محمد المکتوم بن اسماعیل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک خود اسماعیل بن جعفر الصادقؑ۔ صاحب الزماں کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ وہ علم باطنی و مخفی کا حامل ہوتا ہے اور وہی تاویل و تفسیر اور تاویل تاویلات کا ماہر ہوتا ہے۔ دعاۃ (داعی کی جمع) ان کے وارث ہوتے ہیں۔

چوتھی دعوت | اس میں بتایا جاتا ہے کہ شرائع کے مجدد سات ہیں۔ ہر ایک کو ناطق کہا جاتا ہے اور ہر ناطق کے ساتھ ایک وصی ہوتا ہے جس کو صامت کہتے ہیں۔ یہ اس طرح ہیں:

ناطق	صامت	ناطق	صامت
① آدمؑ	شیثؑ	② نوحؑ	سام
③ ابراہیمؑ	اسماعیلؑ	③ موسیٰؑ	ہارونؑ
⑤ عیسیٰؑ	شمعونؑ	⑥ رسول خداؑ	علیؑ

④ محمد بن اسماعیل صاحب الزماں جن پر علوم اولین و آخرین تمام ہوئے۔

حضرت نوحؑ نے حضرت آدمؑ کی، حضرت ابراہیمؑ نے حضرت نوحؑ کی، حضرت موسیٰؑ نے حضرت ابراہیمؑ کی اور حضرت عیسیٰؑ نے حضرت موسیٰؑ کی اور حضرت محمدؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ یہ ناطق سات ہیں اسی طرح سے

وہ چیزیں گنائی جاتی ہیں جو سات ہیں مثلاً آسمان، ہفتے کے دن، زمین کو اکب اور سیارے وغیرہ وغیرہ۔

پانچویں دعوت | اس میں مدعو کو بتلایا جاتا ہے کہ ہر ایک صامت کے ساتھ بارہ مددگار (جھٹیں) بارہ مہینوں، برجوں اور چار انگلیوں کے بارہ ٹکڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔

چھٹی دعوت | اس میں بتلایا جاتا ہے کہ اعمال شریعت (نماز، روزہ، حج وغیرہ) سب رموز ہیں اور عام سیاست کی مصلحت کے لئے جاری کئے گئے ہیں تاکہ ان میں مصروف ہو کر آپس میں فتنہ و فساد نہ پھیلائیں اور حاکم وقت سے وفادار رہیں ورنہ فی الحقیقت ان سے مراد ان کی تاویل ہیں۔

جب مدعو کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے تو اس کو یونانی فلاسفوں افلاطون، ارسطو و فیثاغورث کے اقوال سمجھائے جاتے ہیں۔

ساتویں دعوت | اس میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ کس طرح عقول کو پیدا کیا گیا اور شریعت میں صادرِ اول اور عقلِ اول کو قلعہ کہتے ہیں اور اس کے مددگار کو لوح۔

آٹھویں دعوت | اس دعوت میں سات عقول کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اجرام فلکی کی حرکتیں اور ان کے ذریعہ جمادات، نباتات، حیوانات کا وجود میں آنا، انسانِ اول کا ظہور، ناطقوں کا قیام وغیرہ سے متعلق گفتگو کی جاتی ہے۔

نویں دعوت | اس نشست میں مدعو کو یونانی فلاسفوں کی کتابیں پڑھنے اور علومِ الہی و طبیعی سے واقفیت حاصل کرنے

کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اور یہ بتلایا جاتا ہے کہ 'وہی' صرف نفس کی صفائی کا نام ہے اور نبی یا رسول کا کام ہے کہ جو بات اُس کے دل میں آتی ہے اور اسے بہتر معلوم ہوتی ہے وہ لوگوں کو بتا دیا کرتا ہے اور اُس کا نام کلام الہی رکھتا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ قول اثر کر جائے اور اُسے مان لیں تاکہ سیاست اور مصلحت عام میں انتظام رہے۔“

جب مدعو (مستجیب) دعوت میں داخل ہونے کو تیار ہو جاتا ہے تو داعی اُس سے حسبِ ذیل معاہدہ لیتا ہے۔ جس کو عہد الاولیاء کہا جاتا ہے مورخین مقریزی و بغدادی نے جو معاہدہ نقل کیا ہے اس کا اختصار یعنی اہم نکات یہ ہیں :

① داعی جس مستجیب سے عہد لیتا ہے اسے خدا کی قسم کھلا کر کہتا ہے کہ تم نے اپنے نفس پر خدا کا وہ عہد و میثاق اور رسول، انبیاء، ملائکہ اور کتابوں کا وہ ذمہ واجب کر لیا ہے جو خدا نے انبیاء سے لیا۔ تم نے جو کچھ میرے متعلق، یا اس شہر میں جو امام مقیم ہیں ان کے متعلق یا ان کے اہل بیت اور اصحاب وغیرہ کے متعلق سنا ہے یا سنو گے جانا ہے یا جانو گے اسے چھپاؤ گے۔ اور اس میں سے کسی بات کو خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی ظاہر نہ کرو گے۔ بجز اس بات کے کہ جس کی اجازت میں دوں۔

② اس عہد کی محافظت اس بات پر منحصر ہے کہ ہم نے تم سے جن باتوں کا معاہدہ لیا ہے ان میں سے کسی بات کو بھی تم ظاہر نہ کرو گے نہ ہماری زندگی میں نہ ہماری وفات کے بعد۔

③ اگر تم نے جان بوجھ کر کچھ بھی مخالفت کی تو تم اللہ اور اس کی جماعت

سے خارج ہو جاؤ گے۔ تمہارا ٹھکانہ اُس جہنم میں ہو گا جس میں کوئی رحمت نہ ہوگی اور خدام پر وہ لعنت بھیجے گا جو اُس نے ابلیس بھیجی۔ اور جتنے تمہارے غلام ہوں خواہ مرد یا عورت تمہاری مخالفت کی وجہ سے تمہاری وفات تک خدا کی راہ میں آزاد تصور کئے جائیں گے اور تمہاری موجودہ بیوی اور وہ بیویاں جو تمہارے انتقال کے وقت تک تمہارے نکاح میں آئیں گی مطلقہ شمار کی جائیں گی۔“

ہم نے خود مورخ مقریزی کے بیان کردہ عہد نامہ سے صرف اہم باتیں طوالت کے خوف سے پیش کی ہیں۔ یہ عہد نامہ کس قدر طویل ہو گا سمجھ سے باہر ہے کیونکہ مقریزی لکھتا ہے:

”اس کے علاوہ اُن کی بہت سی وصیتیں ہیں جن کو طوالت کے خوف سے ہم نے چھوڑ دیا ہے اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ عاقل کے لئے کافی ہے۔“

www.KitaboSunnat.com

دعوت کی یہ مجالس ہمیشہ خفیہ ہوتی تھیں حتیٰ کہ فاطمی خلافت کے قیام کے بعد خلیفہ کے قصر میں ایک مخصوص جگہ اُن کا انعقاد ہوتا تھا۔ ان کو مجالس حکمت کہا جاتا تھا۔

نظام دعوت اور عہد نامے سے متعلق ہم بھی مورخ مقریزی کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں کہ عقلمند را اشارہ کافی است، مقریزی یہ بھی بالکل صحیح اور حق بجانب اس لئے کہ دعوت کے مدارج اور عہد و پیمان کے نکات خود اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمیں کس غرض سے ترتیب دیا گیا ہے۔

اسمعیلی دعوت کے اثرات

بہر حال اس دعوت کے اثرات سے متعلق چند فضلاء کے تاثرات پیش کئے جاتے ہیں:

① ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں:

”جن کو سلسلہ سے طے کرنے کے بعد آدمی معطل اور باحی ہو جاتا ہے

یعنی اعمال شریعت کو چھوڑ دیتا ہے اور محرمات کو مباح سمجھتا ہے“

② ایوانو (IVANOW) نے حسب ذیل خیال ظاہر کیا ہے:

”When de Sacy and others first discovered information about these degrees, they rather credulously suggested a parallel with masonic lodges, but the only parallel that is suitable is the Papacy and the organization of the Roman Catholic Church.”

(The Rise of the Fatimids.)

ترجمہ: ”ڈی۔ ساسی وغیرہ کا خیال ہے کہ اسمعیلیہ کے نو مدارج کے اصولوں کا مقابلہ فری میسنوں سے کیا جاسکتا ہے مگر میرے خیال میں ان کے اصول رومن کیتھولک چرچ کے پاپائی نظام سے ملتے جلتے ہیں۔“

لہ تاریخ فاطمیین مصر حصہ اول صفحہ ۷۷

۳) لین پول کہتا ہے:

”وہ یقیناً ذہن رسا رکھنے کے ساتھ ساتھ ایسے ہی بددیانت بھی تھے جیسے ’جیسویٹ‘ (سولہویں صدی عیسوی کی عیسائی تنظیم کے افراد) قرامطہ کی غارتگریوں میں اُن کی کامیابی کی جھلک نظر آتی ہے“

ایوانو اور لین پول ایک دوسرے سے متفق نظر آتے ہیں۔ ایک مسلمان تو تاریخی نقطہ نظر سے یہی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ کی حیات مبارکہ اور صحابہ کرام کی تبلیغی مساعی کا تو کیا ذکر اسمعیلی نظام دعوت اور اُس سے متعلق عہد و پیمان جیسی چیزوں کا نام و نشان بعد کے مسلمان (غیر اسمعیلی) مبلغوں کے یہاں بھی نہیں ملتا کیونکہ اس نوعیت کی دعوت اور عہد و پیمان کا تعلق قرآن و سنت سے دور کا بھی نہیں۔

اسمعیلی عقائد میں ایرانی اثرات

ڈاکٹر زاہد علی تسلیم کرتے ہیں:

”خود عبداللہ بن میمون القلاح (جس کو اسمعیلی نظام دعوت کا مرتب کہا جاتا ہے) کرج (ایران) کا باشندہ تھا اس کے (عبید اللہ المہدی) ظہور کے زمانہ میں جو بڑے بڑے داعی گذرے اُن میں اکثر ایرانی تھے۔ اُن میں مشہور احمد الدین الکرمانی، المؤید الشیرازی، ابو یعقوب السجستانی، ابو حاتم الرازی، احمد بن ابراہیم انیشاپوری ہیں“

ڈاکٹر زاہد علی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (عبید اللہ) مہدی اور اس کے بعد کے چند اماموں نے اسماعیلیت کو فروغ دینے کی کوشش تو بہت کی لیکن اس میں ناکام ہونے کے باعث دوبارہ اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ صرف سیاسی قوت پر قانع رہے۔۔۔۔۔ حلول، تنازع، آسمانی حق، موروٹی حکومت وغیرہ کے سے عقیدوں کو ایران میں جیسی مقبولیت ہوئی ویسی مغرب، مصر اور بلاد عرب میں نہ ہو سکی یہی وجہ ہے کہ شیعہ فرقوں کے اکثر بانی ایرانی ہوئے۔ اسماعیلیوں میں چند داعیوں کے سوا اکثر بڑے بڑے داعی ایرانی تھے۔“

مغربی مستشرقین میں ڈی ساسی، براؤن جیسے معروف محققین کے علاوہ اور بھی بہت سوں نے اسماعیلی مذہب میں شدید ایرانی اثرات کا ذکر کیا ہے۔ وائی کیوٹس ان سب کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور پتہ کی بات لکھتا ہے:

”It would be safer to adopt the view that a feeling of revenge urged the persian people to join and support the Ismailia movement in the hope of political success.“

(The Fatimid Theory of State) P. 15.

”ایک محتاط رائے یہ ہو سکتی ہے کہ ایرانیوں نے سیاسی کامیابی کے لئے

انتقامی جذبات کے تحت اسمعیلی تحریک میں شمولیت اختیار کی۔

اسمعیلیہ کی خصوصیات

اب ہم اسمعیلیت سے متعلق محققین کے افکار و آراء کا پتہ پیش کرتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

① امامیہ کی ایک شاخ کی حیثیت سے اسمعیلیت دوسری صدی کے وسط میں نمودار ہوئی۔ اس میں ابتداء ہی سے غیر اسلامی فلسفوں کی آمیزش شروع ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فلسفہ نے مذہب پر غالب آکر شرعی حیثیت اختیار کر لی۔

② اسمعیلی مذہب میں قرآنی تعلیمات کو جملہ قدیم (قبل از اسلام) فلسفوں کو متحد کرنے کی کوشش کا مقصد ان تمام عناصر کو مطمئن کرنا تھا جو اسلام تو لے آئے تھے مگر ان کے دل و دماغ پر سابق ادیان کا فلسفہ غالب تھا اور وہ اس کے اثرات و نشانات فکری و عملی طور پر اسلامی تعلیمات کی شکل میں دیکھنے کے خواہشمند تھے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کو نامکمل سمجھ کر ایک عالمگیر مذہب کی تشکیل مقصود تھی۔

③ فلسفہ کے غلبہ سے اسمعیلی مذہب خواص کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا اور ان میں بھی ان کے لئے جو فلسفیانہ مزاج رکھتے ہوں۔ عوام سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا۔

④ اسمعیلی مذہب کی دعوت کے خصوصی نظام سے مقصد وفاداروں اور عقیدہ مندوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا تھا جو آزادی فکر و عمل کو قربان کر کے عقیدہ ولایت کے تحت کٹھن سے کٹھن منزل طے کرنے

۱۵ The Fatimid Theory of State

کو تیار ہو۔

⑤ علم باطن کو اخفار سے اتنا پڑا سرار بنا دیا گیا کہ متبعین کی خود سوچنے کی قوتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔

⑥ اخفار اور رازداری بلکہ تقیہ اور کتمان کے اصول دین ہونے سے یہ صورت ہو گئی کہ خود اپنے بھی اپنوں سے انکشاف حقیقت کرنے سے معذور ہو گئے۔ اور بعض ایسے مسائل کھڑے ہو گئے جو ہزار سال گزرنے کے بعد بھی لایخل ہیں۔ یہی نہیں کوئی بھی شخص قابلِ اعتبار نہ رہا۔

⑦ امام کو ایسی مرکزی حیثیت دی گئی کہ ہر چیز امام کے گرد گھومتی نظر آتی ہے حتیٰ کہ باری تعالیٰ کی ہستی بھی پس منظر میں چلی گئی۔

⑧ ائمہ میں امام محمد المکتوم بن اسمعیل کو وہ مرتبہ دیا گیا کہ انبیاء بھی پیچھے رہ گئے۔

⑨ دوسری اہم ترین چیز سات کا عدد ہے جو ہر فکر میں کارفرما نظر آتا ہے۔

اسمعیلیہ کے بنیادی عقائد

اسمعیلیہ کے عقائد کی تعداد ستو بتلائی جاتی ہے۔ ان میں بہت سوں کا علم تو ان کے خصوصی علوم اور نظامِ دعوت سے ہو گیا ہو گا۔ اب ہم صرف ان عقائد کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق اللہ تبارک و تعالیٰ، نبی کریمؐ اور قرآنِ پاک سے ہے تاکہ ان تینوں سے متعلق جو کیفیت ابھرتی ہے وہ واضح ہو جائے۔

توحید: اللہ تعالیٰ ایک ہے مگر وہ کسی صفت سے موصوف یا کسی نعت سے منعوت نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر لفظ واحد کا

لہ قرآن پاک میں لفظ 'واحد' بار بار آیا ہے اور اسی طرح 'احد' بھی۔

اطلاق کرنا بھی درست نہیں۔ تمام صفات حقیقت میں اس مبدعِ اول پر واقع ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا۔ جس کا دوسرا نام عقلِ اول یا امرِ بالکلمہ ہے۔ عالمِ جمالی میں یہ صفات امام پر صادق آتی ہیں۔ کیونکہ وہ عقل کے مقابل قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہست بھی نہیں کہا جاسکتا۔

رسالت: انبیاء و مرسلین کو اولاً مستقر امام کا نائب یا مستوع کہا گیا ہے۔ اس کے بعد اُس نبی کو ناطق بتلایا ہے جو خدا کی طرف سے شریعت لاتا ہے۔ اس حیثیت سے اُس کا فرض صرف شریعت کے ظاہر کا اظہار ہے جبکہ باطن کی ذمہ داری صامت کی ہے اور باطن ہی مقصودِ اصلی ہے۔ آگے چل کر کہا گیا ہے کہ ایک ناطق اپنے سابق کی شریعت کو منسوخ کرتا چلا آیا ہے اور یہ سلسلہ امام محمد بن اسماعیل بن جعفر صادقؑ تک پہنچا جو ساتویں ناطق اور ساتویں رسول ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کی شریعت کے ظاہر کو معطل کیا اور باطن کو کشف کیا عالم الطباع کو ختم کیا یہی یومِ آخر میں قائمِ القیامہ ہیں۔

قرآنِ پاک: نبی یا رسول کا کام یہ ہے کہ وہ جو بات اُس کے دل میں آتی ہے اور بہتر معلوم ہوتی ہے وہ لوگوں کو بتا دیتا ہے اور اُس کا نام کلامِ الہی کہتا ہے تاکہ لوگوں میں یہ قول اثر کر جائے اور اسے مان لیں تاکہ سیاست اور مصلحت عام میں انتظام رہے۔ یہ تو رہی ایک عمومی (general) بات۔ قرآنِ پاک

لہٰذا اگر زیادہ علی نے اس سے متعلق حسبِ ذیل صراحت کی ہے:

The Logos of Alexandria Philosophers the 'eternal world' called SPHOTA which is the True Cause of the World is in fact Porahmin."

مفہوم: اس کی مطابقت یونانی فلسفوں کے 'لوگوس' سے ہوتی ہے جو دراصل ہندی فلسفہ سے مستعار ہے۔ (تاریخِ فاطمیہ مصر حصہ دوم صفحہ ۲۵۲)

کے متعلق خصوصی بات ہے کہ نبی کریمؐ نے اس کا ظاہر بیان کیا جبکہ حضرت علیؓ نے بحیثیت 'صامت' کے اس کا باطن بیان کیا۔ باطن کے متعلق یہ بتلایا جا چکا ہے کہ وہ مقصود اصلی ہے۔

اسمعیلیہ کے ان بنیادی عقائد کے بیان کے بعد مزید عقائد سے متعلق بیان غیر ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج تأثریامی رود دیوار کج

ہم نے اس باب میں طوالت کے احساس کے باوجود اسمعیلیوں کے بنیادی عقائد کو ان کے علوم کی روشنی میں بیان کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ ہم ناظرین کو ذرا سی بھی تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتے۔ اب اسمعیلیوں کی فکر و نظر اس قدر صاف ہو کہ سامنے آگئی ہے کہ ان کے عقائد کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کی اہمیت جاننے والا بھی خود ان کے اعتقادات کے متعلق رائے قائم کر سکتا ہے۔

ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی



باب پنجم

اسماعیلی فرقوں کی موجودہ کیفیات

اسماعیلی مذہب / دعوت کو تقریباً بارہ سو سال گزر چکے ہیں۔ اس طویل مدت میں ان کے یہاں کئی مذہبی اور سیاسی دور ہوئے جس کی وجہ سے اسماعیلیوں میں مختلف فرقے پیدا ہوئے جن کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی طور پر ائمہ کی شخصیتوں اور حیثیتوں نے متعلق اختلاف ہوا جو آگے چل کر عقائد پر اثر انداز ہوا اور علیحدہ فرقے وجود میں آتے گئے جن میں مرکز سے لاتعلقی کے بعد نئی نئی باتیں پیدا ہوتی چلی گئیں جنہوں نے رفتہ رفتہ عقائد کی شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ اسماعیلیہ کے ابتدائی دور کے عقائد کے بیان کے بعد اسماعیلیوں کے فرقوں کی موجودہ کیفیات کی اہمیت نہیں رہتی کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں:

خشتِ اول چوں نہد معالج تاثیرِ امی رود دیوار کج^{لہ}

یعنی تفصیلات کو جانے بغیر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ دیوار کی کجی میں اضافہ ہی ہوا ہوگا لیکن ناظرین کو ضروری معلومات فراہم کرنے کی غرض سے ہم اس باب میں اسماعیلیہ کے قابل ذکر فرقوں کے عقائد

لہ اگر معمار پہلی اینٹ طیر بھی رکھتا ہے تو ثریا (آسمان) تک دیوار طیر بھی رہتی ہے۔

نے جو رخ اختیار کیا اُس سے متعلق اہم امور بیان کریں گے۔

دروزیہ

جیسا کہ باب سوئم میں بیان کیا گیا ہے دروزیہ نے الحاکم بامر اللہ (۳۸۶-۹۹۶ھ) کے بعد ایک علیحدہ فرقہ کی شکل اختیار کی۔ اُن کے مشہور داعی حسن بن حیدرہ فرغانی، حمزہ بن زوزنی اور محمد بن اسمعیل درازی ہیں۔ مہر سے نکلا جانے کے بعد اُن کو لبنان کے علاقہ میں فروغ ہوا اور یہ تاحال اُسی علاقہ میں محدود ہیں۔

دروزیہ کا مذہب

دروزیہ کے اکثر داعی ایرانی تھے لہذا دیگر اسمعیلی (باطنی) فرقوں کی طرح اُن کے عقائد بھی یونانی فلسفہ اور قدیم ایرانی مذاہب کی تعلیم سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً 'حلول' کے متعلق اُن کا عقیدہ ہے کہ خدا کروڑوں برس کے بعد 'حاکم' کی شکل میں ظاہر ہوا۔ رعیت سے ناراض ہو کر غائب ہو گیا ہے۔ قیامت کے روز پھر انسان کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اور تمام دنیا پر حکومت کرے گا۔ اُس کے حکم سے ایک آگ اُترے گی جو کعبہ کو جلا دے گی پھر مردے زمین سے اٹھیں گے۔۔۔

دروزیوں کی کتابیں | داعی حمزہ بن زوزنی اور اُس کے چار مددگاروں نے جو کتابیں لکھی ہیں وہ کلام اللہ کے مانند مقدس مانی جاتی ہیں اور غلو توں میں پڑھی جاتی ہیں اُن کو سوائے عقائد کے کوئی چھٹی نہیں سکتا۔ غالباً یہ وہی کتابیں ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان میں کلام مجید کی نقل

لہ تاریخ فاطمیین مہر حصہ دوم صفحہ ۱۶۵ بحوالہ Spangher

اتارنے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن یہ اُس کی فصاحت و بلاغت کو نہیں پہنچیں۔

دروزیوں کے مذہبی اصول
① خدا کا علم خاص کر شکل انسانی کے

مظاہر ہیں۔

② عقل کا علم جو سب سے اعلیٰ موجود ہے اس کا نام حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں (Maasvuss) لہذا اس ہے۔ حضرت رسول خداؐ کے زمانہ میں سلمان فارسی اور حاکم کے زمانہ میں حمزہ بن زوزنی۔

③ چار روحانی موجودات کا علم۔ یہ چار موجودات اسمعیلؑ، محمدؐ (بن اسمعیل) سلمانؑ اور علیؑ کی شکلیں ہیں۔

④ سات اخلاقی احکام کا علم جن میں سے ایک تقیہ ہے۔

دروزیہ تناسخ کے بھی قائل ہیں اور مذہبی معاملات کو پوشیدہ رکھنے پر زور دیتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے خلوت خانوں میں شرمناک اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں اور خفیہ طور پر گائے کے بچے کے سر کی پوجا کرتے ہیں اُن کے لٹریچر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ (دروزی) اعمال شریعت کے قائل نہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ حاکم کو خدا ماننے کے بعد تمام اعمال بے کار و فضول ہیں۔ ان کے اصول کے مطابق ظاہری شریعت کے پابند مسلمان ہوتے ہیں اور صرف

باطن کے پابند مومنین جبکہ ظاہر اور باطن دونوں نہ ماننے والے 'موحدین' جن کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ہمیشہ مسلح رہنا ان کا مذہبی فریضہ ہے۔ ان لوگوں کی آبادی میں مسجدیں نہیں ہوتیں کیونکہ یہ نماز نہیں پڑھتے۔ مسجد کی بجائے ایک

لے تاریخ فاطمیت مصر حصہ دوم صفحہ ۱۶۵ بحوالہ S/maasvuss

لے حضرت سلمان فارسیؑ سے خصوصی تعلق ایرانی اثرات کا ثبوت ہے۔

لے آجکل دروز، ملیشیا ایک معروف فوجی تنظیم ہے۔ یہ غالباً اسی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

معمولی سامکان ہوتا ہے جس میں ہر جمعرات کو مجلس ہوتی ہے۔ کیونکہ جمعرات کو 'حاکم' غائب ہوا تھا۔ اس مجلس میں حمزہ روزنی کی تصانیف پڑھی جاتی ہیں اور اس میں صرف عقّال ہی شریک ہوتے ہیں۔

عقّال اور جہال | عقّال کی جماعت میں شریک ہونے والے دروزیوں کو چند شرائط پوری کرنا ہوتی ہیں یہ شرائط کچھ ایسی نوعیت

کی ہیں جیسی کہ فری میسنوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں اور بہت سی باتیں فری میسنوں سے ملتی جلتی ہیں۔ دوسری جماعت جہال کی ہے جن پر مذہب کی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔ کہا جاتا ہے کہ جہال ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا رہ پائے جاتے ہیں۔ دروزیوں نے اپنے مذہب کا دروازہ بند کر رکھا ہے۔

نزاریہ

جیسا کہ باب سوئم میں ذکر کیا گیا ہے اسمعیلیوں میں امام/خلیفہ المستنصر باللہ (۲۲۷-۳۸۷ھ) کے جانشین پر اختلاف ہوا۔ اسمعیلیوں کے ایک گروہ نے المستنصر باللہ کے بڑے بیٹے نزار کو اس کا جانشین امام تسلیم کیا جبکہ دوسرے گروہ نے المستنصر کے دوسرے بیٹے احمد المستعلی باللہ کو امام/خلیفہ مانا۔ نزار کے پیرو نزاریہ کہلائے اور مستعلی کے مستعلویہ۔ نزاریوں کو مستحکم کرنے والا داعی حسن بن صباح تھا جس کا تعلق ایران سے تھا۔ حسن بن صباح جس کا ذکر ہم اگلے ابواب میں کریں گے ۳۸۳ھ میں شمالی ایران میں قلعہ 'الموت' پر قابض ہو گیا چونکہ مصر میں حکومت المستعلی کے حصہ میں آچکی تھی لہذا نزاریوں کا مرکز 'الموت' قرار پایا۔ اس طرح نزاریوں کا تعلق مصر سے کٹ گیا اور انہوں نے 'مستعلویہ' کے مقابل اسمعیلیوں کی ایک اہم شاخ کی حیثیت اختیار کر لی ماسی و

سے نزاریوں کو مشرقی اسماعیلی بھی کہا گیا۔ نزاریوں کی زیادہ شہرت اُن کے داعیوں سے ہوئی جو خداوند الموت کہلاتے جاتے تھے ان میں حسن بن صباح کی حیثیت نمایاں ہے جو تاریخ میں شیخ الجبال کے نام سے معروف ہے اور نزاریہ سلسلہ کا بانی مانا جاتا ہے۔

اعمالِ شریعت سے متعلق نزاریوں کے عقائد | نزاری ائمہ میں سب سے مشہور امام حسن علی

ذکرہ السلام ہیں ان کا زمانہ امامت ۵۵۷-۵۶۱ھ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۵۵۹ھ میں انہوں نے تمام اسماعیلیوں کو جمع کیا اور قلعہ الموت سے متصل منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

”قامّ القیامہ میرے ذریعہ سے ہے۔ میں امام زماں ہوں اور امر و نہی صرف شریعت کے رسم و رواج ہیں اور اُن کی تکلیف کو میں اہل دنیا سے بالکل اٹھا لیتا ہوں چونکہ یہ زمانہ قیامت کا ہے“ اُس دن الموت کے تمام اسماعیلیوں نے بڑا جشن منایا اور یہ دن تاریخ میں ”عید القیام“ کے طور پر مشہور ہوا ہے۔ پھر حضرت امام نے قیامت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ”آج میں تم کو تمام شریعت کی تکلیفوں سے نجات دیتا ہوں۔ آج تمہارے لئے رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ میں نے تم سب کو شریعت اور قیامت کے انرار سے مطلع کیا“

یہ اقتباس نزاری فاضل علی محمد جان محمد چنارا کی کتاب ”نورِ مبین جبل اللہ متین“ سے ہے۔ چنارا صاحب اسی کتاب میں مزید لکھتے ہیں:

”حضرت امام حسن علی ذکرہ السلام نے ان لوگوں کو تاویلی علم سکھایا اور

۱۔ تاریخ ائمہ اسماعیلیہ جلد سوئم میں صرف خطبہ دینے کا ذکر ہے۔ خطبہ کا متن نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے ظاہر ہے۔ ان کو تاریخ میں خداوند الموت کہا گیا ہے۔

۲۔ تاریخ فاطمیتین صفحہ ۱۷۶

بتایا کہ دنیا قدیم ہے۔ زمانہ جاودانی ہے۔ قیامت صرف روحانی ہے۔ بہشت و دوزخ معنوی (باطنی) ہیں۔ ہر ایک شخص کی قیامت اُس کی موت ہے۔ باطن میں خلقت کو خدا نے تعالیٰ کی خدمت میں رہنا چاہیے اور ظاہر میں صوابی طور پر زندگی بسر کرنی چاہیے جس کے لئے شریعت کے اعمال کی ساری پابندی اور بندشیں مخلوق سے اٹھائی جاتی ہیں^۱۔

فان ہمیر نے بھی عید قیام اور امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ جو قریب قریب وہی ہے جیسا کہ اوپر چنار صاحب نے بیان کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فان ہمیر نے عید قیام پر عام شراب نوشی کا بھی ذکر کیا ہے۔

امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کی نسبی حیثیت | اسمعیلیہ کے یہاں نسب سب سے اہم ہے لیکن

فان ہمیر نے امام حسن کے نسب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ اس قدر شرمناک ہے کہ ہم اُس کو نقل کر کے اپنی کتاب کی سنجیدگی مجروح کرنا پسند نہیں کرتے صرف اُس کے تاثرات پیش کرتے ہیں:

"The honour of the mother was sacrificed to the ambition of the son; and because adultery afforded grounds to his pretensions, the sanctity of the harem was forced to give place to the merit of ambition."

۱۔ تاریخ فاطمیین مصر صفحہ ۱۷۷

۲۔ History of the Assassins صفحہ ۱۳۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ترجمہ : ماں کی ناموس کو بیٹے کی آرزو یا حوصلہ مندی پر قربان کر دیا گیا اور چونکہ خیانتِ عصمت سے اُس کے دعوے کو استحکام ملتا تھا لہذا ذاتی خواہش کی تکمیل کے لئے جرم کے تقدس کو بھی پامال کر دیا گیا۔

صورت حال جو بھی رہی ہو یہ بات اسمعیلیوں کے یہاں نئی نہیں ہے خود پہلے فاطمی خلیفہ اور پہلے اسمعیلی امام (ظاہر) یعنی عبید اللہ المہدی کا نسب گیارہ سو سال سے بحث کا موضوع بنا ہوا ہے جیسا کہ ہم آئندہ کسی باب میں ذکر کریں گے۔

اعمالِ شریعت کی طرف واپسی | اعمالِ شریعت چھوڑ دینے کے مضر اثرات کا ذکر ہم نے گذشتہ باب میں

کیا ہے۔ نزاریوں کے اعمالِ شریعت چھوڑ دینے کے اثرات بھی حسبِ توقع بُرے ہوئے اور شورش ہو گئی۔ لہذا امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کے پوتے امام جلال الدین حسن نے (۶۰۶-۶۱۸ھ) نے ظاہرِ شریعت کے طریقہ کو جاری کیا۔ لیکن اس نوعیت کی کوششوں کا جو نتیجہ ہونا تھا وہ ظاہر ہے۔ علی محمد چنار صاحب اس صورتِ حال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”حضرتِ امام چونکہ اہلِ دنیا کے مالک ہیں۔ اس لئے زمانے کی موافقت کے لحاظ سے بند و بست اُن کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اکثر اماموں کے عہد میں ایسی حرکتیں ظہور میں آتی ہیں اور پھر قرار پاگئی ہیں مگر بیرونی اسباب کو دیکھ کر اکثر لوگ حضرت امام کے مخصوص مطلب کو نہ سمجھ کر من مانی باتیں کرتے رہتے ہیں۔“

نزاری فاضل کی مندرجہ بالا وضاحت کی حیثیت ضرور اہم ہوتی لیکن

ظاہری شریعت کی پابندی سے فراغت اور شراب نوشی تو اسمٰعیلیہ کے یہاں کوئی نئی بات نہیں۔ اس سلسلہ میں ہم ایک دلچسپ تاویل پیش کرتے ہیں جو بیک وقت اسمٰعیلیہ کے یہاں اوامر و نواہی کی پابندی کی حیثیت اور تاویل کے ذریعہ ہر معاملہ اور ہر واقعہ کا جواز پیش کرنے کی بہترین مثال ہے؛ کہا جاتا ہے کہ اولاً حضرت امام جعفر الصادقؑ نے اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیل پر اپنی جانشینی کے لئے نص کی تھی لیکن حضرت اسمٰعیل خلافت شرع عمل (شراب نوشی) کے مرتکب ہوئے اور اُن کے والد بزرگوار نے اُن پر کی ہوئی نص اپنے دوسرے بیٹے حضرت موسیٰ الکاظمؑ کے حق میں بدل دی۔ اس خلافت شرع عمل کی تاویل کے متعلق ایک محقق اس طرح لکھتا ہے:

”اور یہ تاویل کی کہ اسمٰعیل کا ایسا عمل کرنا (شراب نوشی) اُن کی اعلیٰ نعمت کا ایک ثبوت ہے کیونکہ وہ ظاہر شریعت کے پابند نہ تھے بلکہ باطن کے قائل تھے۔ یہ شیعہوں کے اُس رجحان کی ایک مثال ہے جو تاویل یعنی باطن شریعت کی طرف ہے“^{۱۰}

(D. B. Macdonald, *Devel: of Muslim Theology* p. 42.)

اس صورت حال کے بعد کسی کو کسی بھی معاملہ میں کیا کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ اقبال نے کس قدر صحیح کہا ہے:

قرآن کو باز یچہ تاویل بنا کر چلے تو خود ایک تازہ شریعت کھلیجے
ایران میں نزاری اقتدار کا خاتمہ | ایران میں نزاری اقتدار جس کی ابتداء
۱۴۸۳ھ میں ہوئی تھی ایک سو ستر سال
۶۱۰۹

بعد ۶۵۴ھ میں تاناریوں کے ہاتھوں ختم ہو گیا مگر اسمعیلی مذہب ایران میں مقبول نہ ہو سکا۔ لہذا اسمعیلی دعوت کے مرکز بدلتے رہے۔ کبھی کہیں کبھی کہیں۔ اس درمیان میں نزاری و دھوہوں میں بڑے گئے۔ قاسم شاہی اور محمد شاہی۔ قائم شاہی سلسلہ کے امام آغا خاں اول ۱۲۵۸ھ میں ایران سے ہندوستان آئے یہ کیفیات ایران سے متعلق تھیں۔ اب ہم آئندہ تسلسل کے لئے برصغیر میں نزاری داعیوں/پیروں کا کردار بیان کریں گے جس کی نوعیت خصوصی ہے۔

برصغیر میں نزاری داعیوں/پیروں کا کردار | برصغیر پاک و ہند میں اسمعیلی مذہب کے داعیوں کا ذکر

نویں صدی عیسوی میں ملتا ہے۔ یہ لوگ قاہرہ، عراق اور یمن سے سندھ اور پنجاب یعنی مغربی پاکستان میں آنے شروع ہوئے۔ اور آہستہ آہستہ سیاسی اقتدار حاصل کر لیا۔ یہ لوگ قرامطہ کہے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ محمود غزنوی کی جہوں کا مقصد قرامطہ کی بیخ کنی بھی تھا چونکہ قرامطہ قتل و غارت کے لئے بدنام ہو چکے تھے۔ شہاب الدین غوری نے بھی اُن کے خلاف یورشیں کیں اور آخر کار قرامطہ کا غلبہ ختم ہو گیا۔ اس میں اسلامی حکومت کے استحکام اور سنی خیالات کی اشاعت کو بھی دخل تھا۔ اگرچہ تیرہویں صدی عیسوی کے بعد قرامطہ کا ذکر ہندوستانی تواریخ میں نہیں ملتا لیکن اُن کے جانشین وہ لوگ ہوئے جن کو شمالی ایران کی اسمعیلی (نزاری) ریاست 'الموت' سے بھیجے ہوئے داعیوں/پیروں نے اسمعیلی مذہب کی طرف راغب کیا۔ ان لوگوں کو ابتداً خواجہ کہا گیا جو بگڑ کر 'خواجہ' یا 'کھو' ہو گیا اس طرح کشمیر، پنجاب و سندھ میں 'نزاری' خواجہ کہلائے ان نزاری داعیوں

Shorter Encyclopedia of Islam کے مطابق ان میں کچھ اپنے سابق مذہب پر لوٹ گئے اور کچھ اہل سنت والجماعت میں شامل ہو گئے۔ مقالہ 'اسماعیلیہ'۔

پیروں کے مختصر حالات پیش کئے جاتے ہیں :

(۱) نور الدین یا نور شاہ

بزرگ صغیر میں نزاری داعیوں کا سلسلہ نور الدین یا نور شاہ سے شروع ہوتا ہے انہیں 'الموت' سے بارہویں صدی میں بھیجا گیا تھا۔ ان کی دعوت کا علاقہ گجرات اور نوساری تھا۔ انہوں نے اپنا نام مہندوانہ رکھا اور بہت سے افراد کو جن کا تعلق نیچ ذاتوں سے تھا اسماعیلی مذہب میں شامل کیا۔ یہ نورست گرو، کہلاتے جاتے تھے (انہوں نے ۶۳۲ھ میں سلطانہ رضیہ کی حکومت کو غیر مستحکم دیکھ کر اسماعیلی جھنڈا لہرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے)۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی طریقہ تبلیغ سے قطعی ہٹ کر ہندو شعائر اپنانے میں پہل کی۔

(۲) پیر شمس (شاہ شمس الدین) ۶۴۲-۷۵۷ھ ۱۲۴۱-۱۳۵۶ء

سید شمس الدین کو 'الموت' میں نزاری سلسلہ کے امام قاسم شاہ (۶۱۱-۶۱۶ھ) نے پیر کا لقب دے کر ایران سے باہر تبلیغ کرنے کی ہدایت کی۔ اس وجہ سے یہ پیر شمس کہلائے۔ انہوں نے کشمیر و پنجاب کے علاقہ اسماعیلی مذہب کی دعوت دی۔ ان کی پیدائش سبزواری میں ہوئی تھی اس لئے شمس سبزواری کہلاتے ہیں۔

لہ نور الدین یا نورست گرو کا ذکر تاریخ ائمہ اسماعیلیہ میں نہیں ملتا۔ شیخ محمد اکرام نے 'آب کوثر' میں مختصراً تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ دیکھئے صفحات ۳۲۰-۳۲۳۔ شیخ محمد اکرام نے آرٹلڈ کی دعوات اسلام اور بمبئی گزیٹیر جلد نہم حصہ دوم کا حوالہ دیا ہے۔ تاریخ فاطمیہ مصر حصہ دوم میں ڈاکٹر زاہر علی نے بھی نور الدین کا ذکر کیا ہے۔

۷۵۷ھ پنجاب کی ایک جماعت جو بظاہر ہندوؤں میں شامل ہے اور غوجوں کے موجودہ امام آغا خاں کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی ہے۔ اپنے آپ کو شاہ شمس کے نام پر شمس کہتی ہے۔ (آب کوثر صفحہ ۳۲۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ان کا مزار ملتان میں ہے۔ پیر شمس نے بہت سے دگنان، لکھے۔

گنان کیا ہے؟ | گنان، کا ذکر آئندہ بھی آئے گا لہذا اُس کی تعریف ضروری ہے۔ تاریخ ائمہ اسماعیلیہ میں گنان، کے متعلق لکھا ہے:

”گنان، سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی روحانی علم کے ہیں۔ یہ منظوم کلام تیرھویں اور چودھویں صدی کی مروج زبانوں میں پائے جاتے ہیں جن میں سندھی، پوربی، مرہٹی، سرانیکلی، گجراتی، پنجابی اور ہندی سے ملتے جلتے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ یہ کلام دین کی تعلیم دیتے ہیں جن میں خاص طور پر ذکر، فکر، عبادت، مرشد کامل، اہل بیت، امام کی شناخت وغیرہ کے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مروج ہندو وشنو پنتھ کے عقائد اور مذہبی بیان اور واقعات کو اسلامی تعلیمات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔“

پیر شمس نے متعدد گنان لکھے ہیں جن کے نام نہ صرف دلچسپ ہیں بلکہ اُن کی فکر و نظر کے آئینہ دار ہیں مثلاً ”من سمجھانی، گربہ گنان، چندربان، برہم پرکاش، وغیرہ وغیرہ۔ پیر شمس نے ایک چھوٹا سا ”اوتار بھی لکھا۔ ان گنانوں سے متعلق عالیجاہ شیخ دیدار علی مرتب تاریخ ائمہ اسماعیلیہ لکھتے ہیں:

”پیر کا کلام زیادہ تر صوفیانہ ہے جس میں دین کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دعوت کے نادر نمونے بھی پائے جاتے ہیں مثلاً ہندومت کو اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے۔“

(۳) پیر وداعی صدر الدین (۷۷۹-۸۱۹ھ / ۱۳۷۹-۱۴۱۹ء)

آپ کا اصل نام محمد تھا اور لقب ”بارگر“، ”سودایو“، ”ہریشچندر“، ”حاجی صدر شاہ“

لے شائع کردہ شیعہ امامی اسماعیلیہ ایوایشن برائے پاکستان۔ کراچی صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ حصہ سوئم لے ایضاً صفحہ ۱۳۰۔

اور صدر الدین تھے۔ ہندو انہیں مجھنا تھہ کہتے تھے۔ پیر شمس آپ کے پردادا تھے الموقی امام اسلام شاہ (۷۷۱ھ - ۸۲۷ھ) نے آپ کو پیر کا لقب دے کر ہندوستان روانہ کیا۔ انہوں نے بہت سے گنان لکھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ 'آراد بوجھ'، 'نرخن'، 'ونود'، 'اتھروید'، 'باون گھاٹی'، 'دعا گٹ پاٹ'، 'کھٹ درشن'، 'کھٹ نرخن' وغیرہ ان کے گنانوں کی تعداد ۲۵۰ بتلائی جاتی ہے۔ گنان لکھنے کے علاوہ پیر صدر الدین نے ہندوستان میں اسمعیلیوں کی تین جماعتیں منظم کیں۔ جن کے منظم پنجاب میں مکھی سیٹھ شام داس لاہوری، کشمیر میں مکھی سیٹھ تلسی داس اور سندھ میں مکھی ترکیم تھے۔ پیر صدر الدین نے ایک دس اوتار بھی لکھا۔ یہ بھی پیر شمس کی طرح ہندوؤں میں رہتے تھے۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

”انہوں نے ہندو مذہب کے بعض عقائد کو صحیح تسلیم کیا تاکہ اسمعیلیہ مذہب کی اشاعت میں آسانی ہو۔ انہوں نے ایک کتاب دس اوتار کے نام سے لکھی یا رائج کی جس میں رسول اکرمؐ کو برہما، حضرت علیؑ کو شنو اور حضرت آدمؑ کو شیو سے تعبیر کیا ہے۔ یہ کتاب خوجہ قوم کی مقدس کتاب سمجھی جاتی ہے اور مذہبی تقریبوں پر اور نزع کے وقت مریض کے بستر کے قریب پڑھی جاتی ہے“

پیر کبیر الدین (۷۷۲ھ - ۸۵۳ھ)
(۱۳۲۱ - ۱۴۴۹ھ)

کبیر الدین، پیر صدر الدین کے بیٹے تھے اُن کو بھی الموقی امام اسلام شاہ (۷۷۱ھ - ۸۲۷ھ) نے پیر کا لقب دیا اور ہندوستان میں دعوت کے کام کی نگرانی

لے شائع کردہ شیعہ امامیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان۔ کراچی صفحہ ۱۴۶ حصہ سوم
۱۷ آپ کوثر صفحہ ۳۴۵ بحوالہ اسمعیلیوں کی تاریخ از مسٹر اے۔ ایس۔ پکے
۱۸ آپ کوثر صفحات ۳۴۶-۳۴۷ شیخ محمد اکرام سندھ گزیٹر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کتاب دس اوتار کی تصنیف میں پیر صدر الدین نے ایک عالم برہمن سے مدد لی۔

پر مامور کیا۔ پیر کبیر الدین یا پیر حسن کبیر الدین نے بھی متعدد گنان لکھے۔ ان کے نام ملاحظہ ہوں۔ اننت اکھاڑو، برہم گاؤن سرنی، اننت کے نوچھگے، اننت کا دیوا، ستگر نور کا دیوا، وغیرہ وغیرہ۔

(۵) سید امام شاہ (۸۳۴-۹۲۶ھ / ۱۴۳۰-۱۵۲۰ء)

پیر کبیر الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ انہوں نے بھی متعدد گنان لکھے جن کے حسبِ دستور عجیب عجیب نام ہیں مثلاً گھوگھری گنان، بھائی بڈائی گنان، مول گا تیری، جنکار وغیرہ۔ تاریخِ ائمہ اسمعیلیہ کے اعتبار سے ان میں ”ہندو“ کا زیادہ ذکر ملتا ہے۔

نزاری پیروں کی خصوصیات

ہم نے اسمعیلی (نزاری) پیروں کا ذکر بہت مختصر کیا ہے۔ جو چیز ان سب میں مشترک ہے وہ اُن کی فکر و نظر پر ہندومت کا غلبہ ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ہندومت کے بعض عقائد کو صحیح تسلیم کیا۔ ہندوانہ نام رکھے حتیٰ کہ اپنی دعوت کے ارکان کے نام بھی ہندوانہ رکھے مثلاً مکھی، کامڑیا وغیرہ۔ مقامی تہذیب و تمدن کی برتری تسلیم کرنے میں بھی تا مل نہیں کیا۔ اور اس طرح ایک نادان دوست کا کردار ادا کیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ پیر کبیر الدین کے بعد اُن کے بیٹے کو الموقیٰ امام کی جانب سے پیر کا لقب نہیں ملا۔ بلکہ الموقیٰ امام کے نمائندوں کو وکیل کہا جانے لگا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسمعیلی داعی ہندومت کے مقامی دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے حتیٰ کہ تاریخِ ائمہ اسمعیلیہ کے مطابق امام شاہ یا امام الدین کی

لے سندھ گزٹیر میں ایک پیر یا نائب پیر خواجہ داؤد (یا دادو) کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاریخِ ائمہ اسمعیلیہ میں اس کو وکیل کہا گیا ہے۔ اس کے پیر بھی ہندوانہ نام رکھتے تھے۔ تاریخِ ائمہ اسمعیلیہ جلد سوم صفحہ ۲۰۲، ۲۱۵

وفات کے بعد اس کے بیٹے سید نر محمد شاہ نے جن کو نور محمد شاہ بھی کہتے ہیں اپنا تعلق الموقی امام سے توڑ لیا اور ایک ست پنتھی یا امام شاہی فرقہ وجود میں آیا جو اسمعیلی خوجوں کی نسبت کبیر پنتھی اور نانک پنتھی طریقوں سے زیادہ ملابلات پہلے۔ اس کا ذکر ہم گذشتہ باب میں کر آئے ہیں۔ یوں کہا جاتا ہے کہ اسمعیلی دتھو کا باقاعدہ سلسلہ بہت کمزور پڑ گیا۔ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے الموقی امام عبدالسلام $\frac{۸۸۰-۸۹۹}{۱۳۷۵-۱۳۹۳}$ نے ایک کتاب 'پند بات جوا نمدی' تصنیف کی جسے "پیر" کا درجہ دیا گیا۔ بہر حال اسمعیلیوں میں سے کچھ نے اپنے آپ کو شیعوں (اشاعشریہ) میں شامل کر لیا۔ کچھ سنی ہو گئے اور کچھ ہندو مت پر واپس ہو گئے یہ نتیجہ نکلا تین سو سالہ اسمعیلی (نزاری) تبلیغ کا۔

نزاری پیر اور تقیہ

ان نزاری داعیوں/پیروں کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ کبھی اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتے تھے کبھی شیعہ کبھی کسی صوفی سلسلہ سے وابستہ ظاہر کرتے تھے۔ کبھی برسوں ہندو مندروں میں پوجا پاٹ کرتے تھے۔ تاریخ اوچ میں مولوی حفیظ الرحمن خوجوں کے متعلق لکھتے ہیں:

”اوچ کے اسمعیلی خوجے بالعموم اب اشاعشری ہو گئے ہیں۔ اس سلسلہ کے بزرگ بطور تقیہ اپنے آپ کو سہروردی سلسلہ سے منسوب ہونے کے مدعی ہیں“^۳

۱۔ آپ کوثر صفحہ ۲۵۰

۲۔ آپ کوثر صفحہ ۲۵۱ ۳۔ آپ کوثر صفحہ ۳۲۹

ایک حیرت انگیز تقیہ (جو چار سو سال تک راز رہا)

اس سلسلہ میں آغا خاں اول کا انکشاف ناظرین کے لئے حیرت کا باعث ہو گا۔ شیخ محمد اکرام آپ کوثر میں لکھتے ہیں:

”اسلامی حکومت کے دوران میں نزاری عام مسلمانوں کے ساتھ گھلے ملے ہوئے تھے۔ اُن کی تجہیز و تکفین اور بیاہ شادی کی رسمیں سنی علماء ادا کرتے (اگرچہ وہ اپنے دیوانی جھگڑے اپنی پنچائیت سے طے کراتے) مغربی پنجاب میں کئی اسماعیلی سنی پیروں کے مرید تھے بلکہ پیر صدر الدین کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ سنی مسلمان تھے لیکن جب انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں آغا خاں ہندوستان آگئے تو جماعت کو زیادہ منظم اور جداگانہ طریقے پر ترتیب دیا گیا۔ ایک تو وہ لوگ جو خوجوں سے باہر ہیں (مثلاً پنجاب کے شمسی اور گجرات کے ست نپتھی) انہیں بھی آغا خاں کی قیادت میں منسلک کرنے کی کوشش کی گئی اور پورہی ہے اور دوسرے آغا خاں اول نے حکم دیا کہ اُن کے پیرو بیاہ شادی، تجہیز و تکفین اور وضو طہارت میں اپنی عبادت کی پیروی کریں۔ بعض لوگوں نے اس کی مخالفت کی بلکہ بمبئی ہائی کورٹ میں اس مسئلے پر ۱۸۶۲ء میں ایک اہم مقدمہ لڑا گیا۔ جس میں ان لوگوں کی طرف سے کہا گیا کہ پیر صدر الدین سنی تھے اور شروع سے اُن کے پیرو بیاہ شادی وغیرہ میں سنی علماء کو بلاتے رہے ہیں۔ آغا خاں اول کی طرف سے کہا گیا کہ یہ سب باتیں تقیہ میں داخل تھیں اور پیر صدر الدین کو اسماعیلی (نزاری) امام وقت شاہ اسلام شاہ نے اس لئے داعی بنا کر بھیجا تھا کہ وہ اسماعیلی عقائد پھیلائیں۔ عدالت نے آغا خاں اول کا یہ دعویٰ قبول کر لیا۔ جس پر بعض خوجے اُن سے علیحدہ اور علانیہ طور پر سنی ہو گئے۔“

لے آب کوثر صفحات ۳۵۱ و ۳۵۲

اسمعیلی مذہب کی مندرجہ بالا انداز میں تبلیغ اور اُس کے اثرات وہی ہوئے جو ہونے چاہئیں تھے۔ یعنی ہندوستانی نزاریوں کے اعتقادات تضادات کا مجموعہ ہو کر رہ گئے جن کو کسی بھی ایک مذہب سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ آغاخان اول کی ہندوستان میں آمد کے بعد رفتہ رفتہ نزاری آغاخانی کہلاتے جانے لگے۔ ان میں وہ چند خاندان بھی شامل ہیں جو ایران سے آغاخان اول کے ساتھ آئے اور ہندوستان میں سکونت پذیر ہو گئے۔

آغاخانیوں/نزاریوں کی مذہبی کتابیں ①

جو گنان پیروں نے (جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) لکھے ان گنانوں کے مختلف مجموعے بمبئی میں اسمعیلیہ الیوسو ایشن برائے بھارت/انڈیا نے شائع کئے ہیں۔

② پندیات جو انمردی۔ اس کتاب کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں نصیحتیں اور عالی ہمتی کے اصول درج ہیں۔

③ دس اوتار: یہ ایک نقشہ (Emblem) سا ہے جس میں اوتار گنتے گئے ہیں۔

④ حاضر امام (آغاخان) کے فرامین: آغاخان یعنی حاضر امام جو فرمان جاری کرتے ہیں۔ اُن کا مجموعہ۔

ان کتابوں سے نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ گنان کا نمونہ

① ”شاہ (یعنی امام) را چندر کے روپ میں آیا۔ کرشن کے روپ میں آیا۔۔۔۔۔“

لہ دیکھئے آغاخانیت کیلئے؟ شائع کردہ سواد اعظم اہل سنت پاکستان۔

① آجکل دسویں اوتار میں 'علی' کے روپ میں شاہ ظہور میں ہیں۔

۴۔ قرامین

”اسمعیلیوں کے پاس رہبری کے لئے کوئی مخصوص کتاب نہیں مگر زندہ امام ہے۔“

ہم نے نمونے محض تعارف کے لئے دیئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسمعیلیہ کے بنیادی عقائد معلوم ہونے کے بعد نہ ان ذیلی تحریروں کی کوئی حیثیت باقی رہتی ہے اور نہ ان کے کسی بھی عمل کی۔

آغا خانیوں کے دواصول ہیں:

اسلامی شعار اور آغا خانی

① ”جو معاملات خدا کے ہیں انہیں خدا سے اور جو قیصر کے ہیں انہیں قیصر سے متعلق رکھو۔“

(Bible - Mark - 12:17)

② ”جہاں رہو یعنی جس ملک و ملت میں رہو اس کا شعار اختیار کرو۔“

ہم اس سلسلہ میں آغا خاں سوم کی خود نوشت سوانح عمری سے اقتباسات پیش کریں گے:

① ”میں نے عورتوں کی آزادی اور تعلیم کی ہمیشہ ہمت افزائی کی ہے۔ میرے

دادا اور والد کے زمانہ میں پردہ ترک کرنے کے سلسلے میں اسماعیلی دوسرے فرقوں سے بہت آگے تھے حتیٰ کہ ان ممالک میں بھی جو بہت زیادہ رجعت پسند تھے میں نے پردہ بالکل ختم کر دیا ہے۔ اب آپ کسی اسماعیلی عورت کو نقاب ڈالے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔“

لہ اسلام میرے مورثوں کا مذہب صفحہ ۴۳ ۱۲۱ الفیاض

② ”جہاں تک میرے پیروؤں کے طرز زندگی کا تعلق ہے تو میری یہ کوشش رہی ہے کہ میں اُن کو جو نصیحتیں کرتا ہوں جو مشورے دیتا ہوں انہیں اس ملک اور حکومت کے مطابق بدلتا رہتا ہوں جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں۔ چنانچہ مشرقی افریقہ کی برطانوی نوآبادی میں انہیں میری یہ تاکید ہے کہ وہ انگریزی کو اپنی اولین زبان بنائیں اپنے خاندان اور اپنی گھریلو زندگی کی بنیاد انگریزی طریقوں پر رکھیں اور شراب و تمباکو نوشی کو مستثنیٰ کر کے عام طور پر برطانوی اور مغربی رسم و رواج اختیار کریں۔“

نزاریوں (آغا خانیوں) کے دیگر اعمال

کافی عرصہ سے آغا خانیوں کی مذہبی کمیٹی ایک اشتہار بعنوان ”آغا خانی مذہبی عبادات کا پیغام“ کے ذریعہ اپنی مذہبی عبادات سے روشناس کرا رہی ہے۔ اس اشتہار کے مندرجات بڑے دلچسپ ہیں۔ اس پیغام میں بعض اعمالِ شریعت کی تاویلات بتلا کر اُن پر عمل نہ کرنے کا جواز پیش کیا گیا ہے۔ اور کس طرح حاضر امام کو رقومات کی ادائیگی سے عبادات معاف کرائی جاسکتی ہیں۔ ناظرین اس اشتہار کو ضمیمہ میں ملاحظہ کر لیں۔ ہم اس کے متعلق کچھ عرض کرنا کا باعث سمجھتے ہیں۔

حاضر امام کو رقومات کی ادائیگی | آغا خانیوں کے لئے مقررہ رقومات کی ادائیگی کے لئے باقاعدہ جماعتی

نظام ہے۔ ان ادائیگیوں کے کئی نام ہیں جن زیادہ معروف دسوند (آمدنی کا اٹھال حصہ) اور ’ناندی‘ ہیں۔ اس نوعیت کی ادائیگیوں کی کل رقم لاکھوں روپیہ تک

لے اسلام میرے مورثوں کا مذہب صفحہ ۴۶

ہو جاتی ہے جس کو حاضر امام کا حق سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کی ادائیگیوں کے خلاف آغا خانیوں میں کبھی کبھی آواز بھی اٹھائی جاتی ہے مگر بے سود۔ اسی طرح کا ایک واقعہ سید امام الدین کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ سید امام الدین نے (جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے) امام وقت کے لئے دسوند لینے کی مذمت کی۔ اس پر امام وقت (الموتی) آغا عبد السلام نے انہیں جماعت سے خارج کر دیا اور ہندوستان کے لئے پیر یا نائب پیر نامزد کرنے کا سلسلہ بند کر دیا۔ بہر حال موجودہ دور میں اس نوعیت کی ادائیگیاں باعث حیرت ہیں۔

آغا خانیوں کا حکومت برطانیہ سے خصوصی تعلق | ۱۲۵۸ھ
۱۸۴۲ء | نزاریوں کے امام

حسن علی شاہ آغا خاں اول نے ہندوستان منتقل ہونے کے بعد برطانوی حکومت کو سندھ میں اقتدار حاصل کرنے میں بہت مدد دی۔ حکومت برطانیہ نے اس وفاداری کے صلہ میں اُن کو ہز ہائٹس (Highness) کا اعزاز عطا کیا۔ حکومت برطانیہ سے وفاداری کا یہ سلسلہ قائم رہا اور آغا خاں سوم سلطان محمد شاہ کو حکومت نے سر کا خطاب عطا کیا۔ ان ائمہ نے حکومت سے وفاداری کا یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ ہندوستان اور برطانیہ کے زیر اثر علاقوں میں اپنی جماعت کو اطمینان سے منظم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہی نہیں بلکہ سرزمین مصر سے بھی تعلق قائم کرنے میں کامیابی ہوئی کیونکہ نزاریوں کا دعویٰ ہے کہ وہ مصر میں فاطمی خلافت کے جائز وارث ہیں۔ حکومت برطانیہ کی وساطت سے وہ مصر میں خود کو دوبارہ روشناس کرا سکے وہ اس لئے کہ مصر بھی کچھ عرصہ قبل تک حکومت برطانیہ کے زیر اثر رہا ہے اس کے نتیجے میں سر سلطان محمد شاہ آغا خاں سوم کو ۱۹۵۹ء میں حکومت برطانیہ کے توسل سے اسوان (مصر) میں دفن کیا گیا۔

متعلویہ (بوہرے) یا اسمعیلی (طیبی)

جیسا کہ باب سوئم میں ذکر کیا گیا ہے امام المستنصر باللہ (۳۲۷-۴۸۷ھ) کے انتقال پر فاطمیوں میں اُن کے جانشین پر اختلاف ہوا اور المستنصر کے بڑے بیٹے نزار کو جائز جانشین ماننے والے نزاریہ اور المستنصر کے دوسرے بیٹے المستعلی کو امام/خلیفہ تسلیم کرنے والے متعلویہ کہلائے۔ اس اختلاف کی وہی نوعیت و صورت تھی جو حضرت جعفر الصادقؑ کے جانشین کے سلسلہ میں اُن کے بڑے بیٹے اسمعیل اور ایک دوسرے بیٹے موسیٰ الکاظم کے متعلق پیدا ہوئی تھی جس کے نتیجے میں اسمعیلیہ فرقہ وجود میں آیا تھا۔ بہر حال متعلویہ (موسویوں/اثنا عشریوں کی طرح) خود کو 'اصل' کہتے ہیں اور اسمعیلی مذہب کے صحیح عقائد کے مدعی ہیں۔ اُن کے آخری امام طیبؑ تھے جنہوں نے کمسنی میں ۵۲۲ھ میں غیبت اختیار کر لی اُس وقت سے اُن کے یہاں دورِ ستر کا آغاز ہوا یعنی امام مستور ہے مگر دعوت کا سلسلہ داعیوں کے ذریعہ جاری ہے۔

فاطمی متعلویہ اور ظاہری شریعت | ظاہری شریعت کی پابندی کا مسئلہ اسمعیلیوں میں ابتداء سے ہی

بہت دلچسپ بلکہ مختلف رہا ہے۔ ڈاکٹر زاہد علیؒ نے اس بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے جس کا کُل لباب انہیں کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے:

”بہر حال امام معز (۳۲۱-۳۶۵ھ) کی دعاؤں اور اُن کے باب الابواب جعفر بن منصور الیمین کی کتابوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اگلے اور قدیم اسمعیلیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ امام محمد بن اسمعیل کے عہد سے ظاہری اعمال اٹھ گئے اور

علم باطن کا دور شروع ہوا چنانچہ بعض قدیم اسمعیلی فرقے مثلاً قرامطہ اور نزاری (خو جے) یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ امام مہدی (عجل اللہ المہدی) اور اس کے جانشینوں (فاطمی خلفاء/ وائمہ) نے اس قسم کے عقیدے ظاہر نہیں کئے۔ اس کی وجہ مستشرق "اویری" نے یہ بتائی ہے کہ ان حکمرانوں کو بلادِ مغرب، مصر اور شام وغیرہ پر مستقل حکومت کرنے کا موقع ملا اور ان ممالک میں اکثریت اہل سنت کی تھی۔ اس لئے انہوں نے صرف ایسے عقیدے ظاہر کئے جو ان کی رعایا سے ملتے تھے^۱۔

واضح رہے کہ اسمعیلیوں کے یہاں امام/ خلیفہ ابو تمیم معد المعز لدین اللہ (۳۲۱-۳۶۵ھ) جملہ فاطمی ائمہ میں ایک خصوصی حیثیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں وہ زیادہ تر مولانا معز کہے جاتے ہیں اُن کی دعائیں اسمعیلیوں کے یہاں بہت معتبر اور متبرک مانی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر زاہد علی نے اُن کی دعاؤں سے وہ عربی متن بھی دیا ہے جس کی رو سے ظاہری اعمال کی پابندی اٹھ گئی ہے۔ مگر اس صریح بیان کے بعد بھی ایک دلچسپ تاویل پیش کی گئی جس پر مستشرق ایوانو سے ضبط نہ ہو سکا اُس کے تاثرات ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوں گے:

Sayyidna Idris obviously tries here, as on many other occasions, to avoid falling between two stools, without any convincing result. This is one of the examples of that mystic vision, in which two contradictory statements are both admitted as true

۱۔ تاتخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۲۶۳

۲۔ یہ دعائیں سات ہیں جو اتوار سے شروع ہوتی ہیں۔ آخری دعا شنبہ (سنیچر) کی ہے۔ اتوار سے دعا کا شروع ہونا نصرانی اثرات کا ثبوت ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۵۵)

at one and the same time. In such cases the student is required to possess strong confidence in the honesty of the author to treat his statements seriously, and not to take it for ordinary foolishness. (The Rise of the Fatimids. p. 244)

ترجمہ: حسب سابق اس مرتبہ بھی سیدنا ادریس نے تذبذب کا شکار ہو کر غلط راستہ اختیار کرنے سے بچنے کی کوشش کی ہے لیکن نتیجہ غیر اطمینان بخش رہا۔ یہ عارفانہ تصورات کی بہت سی مثالوں میں ایک ہے جن میں دو متضاد بیانات کو ایک ہی وقت میں درست قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے حال میں حقیقت کے متلاشی کو مصنف کی امانت پر اعتمادِ کامل کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اُس کے بیانات کو سراسر حماقت سمجھنے کے بجائے درخود اعتناء سمجھ سکے۔“

متذکرہ بالا بیانات سے ظاہر ہے کہ فاطمیوں نے اگر ظاہری شریعت کی پابندی تو اس وجہ سے کی کہ اُن کی حکومت میں اہل سنت والجماعت کی کثرت تھی اور اُن کے لئے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اُن کو یعنی اہل سنت کو مطمئن رکھنے کے لئے ظاہری شریعت کی پابندی کریں۔ یہ پابندی مصر میں فاطمی اقتدار کے دوران مصلحتِ وقت کے تحت برقرار رہی اور اسماعیلی مرکزِ دعوت کے ۵۶۷ھ میں یمن منتقل ہونے پر مستعلویہ نے اس کو قائم رکھا کیونکہ یمن میں اُن کے ارد گرد اثناعشری اور زیدیہ تھے جن کے یہاں اعمالِ شریعت کو اولیں حیثیت حاصل ہے۔ مستعلویہ میں یمن سے ۹۳۶ھ میں ہندوستان منتقل ہونے کے بعد بھی ظاہری شریعت کی پابندی برقرار رہی۔ کیونکہ مصر کی طرح ہندوستان میں اہل سنت

کی اکثریت ہے اور اثنا عشری بھی ہیں۔

ہندوستان مرکز دعوت منتقل ہونے کے بعد مستعلویہ بوہرے کہلائے جیسا کہ گذشتہ باب میں بیان کیا گیا ہے $\frac{۱۱۹۹}{۱۸۶۱}$ میں بوہرے دو حصوں میں بٹ گئے، ایک 'داؤدی' دوسرے 'سیمانی' رفتہ رفتہ ان میں مزید فرقے پیدا ہو گئے جو 'مہدی باغ والے' اور 'علیہ' کے نام سے معروف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سیمانیہ میں جو زیادہ تر مین میں ہیں اور مہدی باغ والوں میں 'قائم القیامہ' کا ظہور ہو چکا ہے لہذا خیال کیا جاتا ہے کہ جیسا کہ اسمعیلیہ میں ہوتا رہا ہے وہ بھی ظاہری شریعت کی پابندی سے آزاد ہو گئے ہوں گے۔ البتہ داؤدی بوہرے مصلحت وقت کے تحت اعمال شریعت کے بدستور پابند نظر آتے ہیں۔

مستعلویہ کی مقدس کتابیں | مستعلویہ کے یہاں چار کتابیں بہت مقدس سمجھی جاتی ہیں۔

① رسائل اخوان الصفا جن کو قرآن الائمہ کہا جاتا ہے۔ ان رسائل کا ذکر گذشتہ باب میں آچکا ہے۔

② قاضی نعمان بن محمد متوفی $\frac{۳۶۳}{۹۴۳}$ کی کتاب دعائم الاسلام جو فقہ سے متعلق ہے

③ ہبۃ اللہ بن موسیٰ الشیرازی (المؤید فی الدین) متوفی $\frac{۴۴۰}{۱۰۷۷}$ کی مجالس المؤمنین جس میں قرآنی آیات اور پند فقہی احکام کی تاویلات بیان کی گئی ہیں۔

④ احمد حمید الدین الکرمانی متوفی $\frac{۴۰۸}{۱۰۱۸}$ کی راحة العقل جس میں توحید، عقل، نفس، رسالت، وصایت وغیرہ کا بیان ہے۔

موجودہ اسمعیلی فرقوں کے مجموعی اعتقادات

موجودہ اسمعیلی فرقوں کی کیفیات بیان کرنے کے بعد ہم ان فرقوں کے

مجموعی اعتقادات بیان کرتے ہیں تاکہ مکمل صورت سامنے آجائے۔

بنیادی عقائد

توحید | اللہ تعالیٰ ایک ہے مگر وہ کسی صفت سے موصوف یا کسی نعت سے منعوت نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر لفظ واحد کا اطلاق کرنا درست نہیں۔ تمام صفات حقیقت میں اُس مبدعِ اول پر واقع ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا۔ جس کا دوسرا نام عقلِ اول یا امر یا کلمہ ہے۔ عالمِ جہانی میں یہ صفات امام پر صادق آتی ہیں۔ کیونکہ وہ عقل کے مقابل قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہست بھی نہیں کہا جاسکتا۔

رسالت

انبیاء و مرسلین کو اولاً مستقر امام کا نائب یا مستودع کہا گیا ہے۔ اس کے بعد اس نبی کو ناطق بتلایا ہے جو خدا کی طرف سے شریعت لاتا ہے۔ اس حیثیت سے اس کا فرض صرف شریعت کا اظہار ہے جبکہ باطن کی ذمہ داری صامت کی ہے اور باطن ہی مقصودِ اصلی ہے اور آگے چل کر کہا گیا ہے کہ ایک ناطق اپنے سابق کی شریعت کو منسوخ کرنا چلا آیا ہے اور یہ سلسلہ امام محمد بن اسمعیل بن جعفر صادقؑ تک پہنچا جو ساتویں ناطق اور ساتویں رسول ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کی شریعت ظاہر کو معطل کیا اور باطن کو کشف کیا عالم الطباع کو ختم کیا یہی یومِ آخر میں قائمِ القیامہ ہیں۔

قرآنِ پاک

نبی یا رسول کا کام یہ ہے کہ وہ جو بات اُس کے دل میں آتی ہے اور بہتر معلوم ہوتی ہے وہ لوگوں کو بتا دیتا ہے اور اُس کا نام کلامِ الہی رکھتا ہے تاکہ لوگوں میں یہ قول اثر کر جائے اور وہ اسے مان لیں۔ نبی کریمؐ نے اس کا ظاہر بیان کیا جب کہ حضرت علیؑ نے بہ حیثیتِ صامت کے اس کا باطن بیان کیا جو مقصودِ اصلی ہے۔

لے دیکھیے باب چہارم۔

نبی اور امام

نبی کے مقابلہ میں امام کے اوصاف بھی پیش کئے جاتے ہیں:

- ① امام علم خدا کا خازن اور علم نبوت کا وارث ہے۔
- ② اُس کا جوہر سماوی اور اس کا علم علوی ہوتا ہے۔
- ③ اُس کے نفس پر افلاک کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اُس کا تعلق اُس عالم سے ہے جو خارج از افلاک ہے۔
- ④ اُس میں اور دوسرے بندگان خدا میں وہی فرق ہے جو حیوانِ ناطق اور غیر حیوانِ ناطق میں ہے۔
- ⑤ ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے۔
- ⑥ امام ہی کو دنیا پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔
- ⑦ ہر مومن پر امام کی معرفت واجب ہے۔
- ⑧ امام معصوم ہوتا ہے اس سے خطا نہیں ہو سکتی۔
- ⑨ امام کی معرفت کے بغیر نجات ناممکن ہے۔
- ⑩ باری تعالیٰ کے جو اوصاف قرآن مجید میں وارد ہیں اُن سے حقیقت میں ائمہ موصوف ہیں۔

⑪ ائمہ کو شریعت میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار ہے۔

بنیادی اعتقادات کے بعد ہم معروف اسماعیلی فرقوں سے متعلق دیگر امور بیان کرتے ہیں:

۱۔ اسماعیلیہ (قراٹہ)

اب دنیا میں موجود نہیں۔ (بنیادی اسماعیلی عقائد سے منحرف ہو گئے تھے)

۲۔ اسماعیلیہ (فاطمی) (دروزیہ)

① امام/خليفة کو (نعوذ باللہ) خدا مانتے ہیں۔

۲) علول اور تناسخ کے قائل ہیں۔

۳) اعمال شریعت کے قطعی پابند نہیں۔

۴) مسجد کی جگہ جماعت خانہ ہے۔

گویا۔۔۔ بنیادی اسمعیلی عقائد سے بھی منحرف ہیں۔
۳۔ اسمعیلیہ (فاطمی) (متعلویہ)

۱) اُن کا ایمان ہے کہ امام طیب کی نسل سے برابر امام ہو رہے ہیں اگرچہ وہ پوشیدہ ہیں لیکن داعیوں کو اُن سے برابر ہدایات ملتی رہتی ہیں۔ مہدی آخر الزمان جو قیامت کے دن ظاہر ہوں گے وہ امام طیب کی نسل سے ہوں گے۔

۲) اعمال شریعت کے پابند ہیں مگر جمعہ کی نماز باجماعت نہیں پڑھتے۔
(۱) اعلانیہ سود لیتے ہیں۔

(ب) دیوالی کے موقع پر روشنی کرتے ہیں اور حساب کتاب کی نئی کتابیں تبدیل کرتے ہیں۔ ہندی جہینوں کے اعتبار سے حساب رکھتے ہیں۔

(ج) عیدین و دیگر مبارک ایام کے لئے ان کا کیلنڈر اپنا ہے۔

(د) مسجد جماعت خانہ اور قبرستان وغیرہ سب علیحدہ ہیں۔

(۵) کچھ عرصہ سے اُن کی خواتین نے پردہ اختیار کر لیا ہے۔

۳) وضع قطع اور لباس میں اگرچہ مسلمانوں سے قریب تر ہیں مگر ان سب کا

انداز امتیازی ہے جس سے وہ آسانی سے پہچانے جاتے ہیں۔ اپنے اسلا

کی تقلید میں سفید لباس پہنتے ہیں۔

۴) اُن کا کلمہ یہ ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مولانا علی ولی اللہ

وصی رسول اللہ۔

الحمد (۲) سے (۵) تک کے لئے جو کتب مذاہب الاسلام از محمد نجم الغنی صفحات ۲۹۲ تا ۲۹۵ اور آب کوثر

صفحات ۳۵۳-۳۵۵

۵) آذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ کے بعد اشہد ان مولانا علیا ولی اللہ اور حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل محمد و علی خیر البشر و عترتہما ما خیر العتر۔ اضافہ کرتے ہیں۔

(۴) اسمعیلیہ (فاطمی) (نزاریہ) یا آغا خانی

۱) حاضر امام سب کچھ ہے۔

۲) اعمال شریعت سے مکمل طور پر آزاد ہیں (مصلحت وقت کے اعتبار سے حاضر امام کے فرمان خصوصی کے تحت عمل کر لیتے ہیں)۔

۳) مسجد کی جگہ جماعت خانہ ہے۔

۴) کلمہ حسب ذیل ہے:

اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ و اشہد

ان علی اللہ۔ (تیسرا حصہ غور طلب ہے)

۵) شعار اسلامی کے قطعی پابند نہیں (صرف نام اسلامی ہوتے ہیں)۔

۶) حاضر امام مغربی تہذیب کا نمونہ ہیں۔

۷) ہر عبادت کا بدل روپیہ پیسہ ہے جو حاضر امام کا حق ہے۔

۸) حاضر امام کا دیدار سب سے بڑی عبادت ہے۔

ہم نے اسمعیلیوں کے بنیادی اعتقادات اور مختلف فرقوں کی موجودہ کیفیات حتی المقدور خالی الذہن ہو کر بیان کر دی ہیں اُمید ہے کہ ان معلومات کی بنا پر ناظرین خود ان کے متعلق رائے قائم کر سکیں گے۔

حضرت علیؑ کے متعلق نزاریوں کا عقیدہ

اسمعیلی عقائد میں امام کے اوصاف کے متعلق گزشتہ باب میں کافی ذکر

کیا جا چکا ہے اب حضرت علیؑ کے متعلق نزاریوں کا عقیدہ پیش کیا جاتا ہے

لہ جس میں خواجہ حسن نظامی کے مطابق ہنود کا 'اوم' اس طرح لکھا جاتا ہے کہ خط کوئی میں 'علی' پڑھا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جس کا علم اس باب کی تکمیل کے بعد ہوا :

”ہم مرتضیٰ علیؑ کا نور جماعت کے پاس حاضر و ناظر بیٹھے ہیں۔ تمہیں صدقِ دل سے اس حقیقت پر ایمان رکھنا چاہیے کہ ہم (ائمہ) اس دنیا میں وجودِ عنصری کو لباس کی طرح پہنتے اور اتارتے ہیں مگر ہمارا نور ازلی اور منزل ہے اور وہ ہمیشہ زندہ اور قائم ہے۔ اس لئے تمہیں اس ازلی اور منزل نور ہی کو مد نظر رکھنا چاہیے جو ازلی اور منزل نور آغا علی شاہ یا ہمارے داوا یا اُن کے بزرگوں اور حضرت علیؑ میں تھا وہی نور اب ہم میں ہے ہم اُن کے جانشین ہیں۔ نور امامت ہمیشہ حاضر و ناظر اور ایک ہے صرف (ان عنصری اجسام جن کے ذریعہ وہ ظاہر ہوتا ہے) نام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ مولا مرتضیٰ علیؑ کا تختِ امامت ہمیشہ سے قائم ہے اور تا قیامت قائم رہے گا۔ آغا خانیوں کے کلمہ کے آخری ٹکڑے ”أَشْهَدُ أَنَّ عَلِيًّا اللَّهُ“ (نمودہ باللہ) اور مندرجہ بالا وضاحت سے حضرت علیؑ کی جو حیثیت سامنے آتی ہے وہ اُس سے مختلف ہے جو قدیم اسمعیلی عقائد میں نظر آتی ہے۔ یہ غالباً ایران میں اثنا عشری اثرات کا نتیجہ ہے اور شاید اسی وجہ سے ایران میں نزاری علیؑ اللہ ہی کہلاتے ہیں۔



باب ششم تاریخ میں اسماعیلیوں کا منفی کردار

قراٹھ [مساجد کا جلانا اور حجاج کا مسلسل قتل]

گذشتہ باب میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ قراٹھ اسماعیلیہ ہی کی ایک شاخ ہیں لیکن ابتداء ہی میں انہوں نے اپنا تعلق اسماعیلی مرکز دعوت سلمیہ سے توڑ لیا تھا۔ قراٹھ نے اپنی دعوت کا مرکز کوفہ رکھا۔ عرب اور نبطی قبیلے کثرت سے اس دعوت میں داخل ہو گئے۔ اس دعوت کی کامیابی میں حمدان قرطہ اور عبدان پیش پیش تھے۔ ان دونوں نے اپنے مریدوں پر مختلف قسم کے محاصل لگائے اور ایک قسم کا اشتراکی نظام نافذ کر دیا۔ اپنی کامیابی سے متاثر ہو کر ان دونوں داعیوں نے اپنے مریدوں کو فرقہ دشنویہؑ کی تعلیم دینا شروع کر دی جس کی وجہ سے وہ زہد و تقویٰ چھوڑ کر فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے اپنے متبعین کو یہ باور کرایا کہ صرف امام محمد بن اسماعیل کی معرفت کافی ہے۔ اس طرح اُن کو ظاہری اعمال شریعت کی ادائیگی یعنی نماز، روزہ وغیرہ سے فارغ کر دیا۔ مریدوں کو یہ بھی تعلیم دی گئی کہ تمہارے لئے ”دشنویہ“ نور و ظلمت کو عالم کا خالق مانتے ہیں۔

منافقین کا خون تمہارے لئے حلال ہے۔ ہتھیار جمع کرنے کی ترغیب دلائی گئی یوں سمجھئے کہ ایک دہشت گردوں کی جماعت تشکیل پاگئی۔ اب اس جماعت نے ایسی خونریزی شروع کی کہ ہمسایہ چیخ اٹھے۔ ۲۷۹ھ میں انہوں نے قریہ ہما آباد (قم اور اصفہان کے درمیان ایک گاؤں) میں ایک دارالہجرت بنایا اور اُسے مضبوط فصیل سے محفوظ کر کے اُس کے گرد خندق کھودی۔ اب والیانِ حکومت بھی اُن سے گھبرانے لگے۔ قرامطہ کی دعوت کو بلا دیشام میں بھی کامیابی ہوئی۔ عباسی خلفائے اُن کی سرکوبی کے لئے فوجیں بھیجیں مگر ناکامی ہوئی۔ ایک مقابلہ میں قرامطہ نے رصافہ کی مسجد جلادی اور لوٹ مار کی۔ قرامطہ کی طاقت اتنی بڑھی کہ انہوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا اور اُس کے بعد بہت سے شہروں کو فتح کرتے ہوئے اسماعیلیوں کے پہلے مرکزِ سلمیہ پہنچے اور یہاں رہنے والے بہت سے بنو ہاشم کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے عباسی خلیفہ المکتفی باللہ نے ۲۹۰ھ میں ایک بڑا لشکر بھیجا اور قرامطہ کو شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد قرامطہ نے اپنی منتشر طاقت کو پھر اکٹھا کیا مگر اس مرتبہ عباسی خلیفہ کا لشکر اُن کی تاب نہ لاسکا۔ اُن کی لوٹ مار کا سلسلہ بصرہ اور بغداد تک پہنچ گیا انہوں نے راستہ میں مکہ معظمہ سے واپس آنے والے حاجیوں کے تین قافلوں پر زبردست حملے کئے۔ ان معرکوں میں تقریباً بیس ہزار آدمی قتل ہوئے اور کئی لاکھ دینار قرامطہ کے ہاتھ لگے۔ مرد تو مرد قرامطہ کی عورتیں بھی لڑائی میں حصہ لیتی تھیں۔ بغداد میں ایسا کوئی گھر باقی نہ رہا

لہ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۱۳۸ تا ۱۶۰

لہ ایضاً۔

جو مصیبت کہہ نہ ہوا ہوا اور جہاں سے آہ و زاری کے نالے بلند نہ ہوئے ہوں۔ اس درمیان میں قرامطہ بحرین میں اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ نوجوانوں کو سپہ گری کی تعلیم دلانا ان کا خاص کام تھا عجمی خلفاء اُن کا مقابلہ کرنے میں بار بار ناکام رہے اور ۹۲۲ء - ۹۳۵ء تک بحرین کے قرامطہ نے بصرہ، کوفہ اور عراق کے دوسرے شہروں میں پہلے سے زیادہ شدید فساد برپا کیا۔ اب قرامطہ اور سلمیہ کے اسمعیلیوں میں مفاہمت ہو گئی۔ لہذا بحرین کے قرامطہ نے ابوطاہر سلیمان کی سرکردگی میں ۹۲۵ء میں بصرہ پر رات کے وقت اچانک چڑھائی کی۔ دس روز تک خون ریزی کی۔ شہر کے بڑے حصہ کو جلا دیا اس سے قبل ابوطاہر سلیمان کے باپ حسن بن بہرام ابو سعید جنابی نے الاحسا، قطیف اور بحرین پر قبضہ کرتے وقت مسلمانوں کا قتل عام کیا اور مساجد کو آگ لگائی۔

بیت اللہ شریف کی بے حرمتی اور حجر اسود کی منتقلی

قرامطہ نے حاجیوں کے قافلوں کو لوٹنا تو معمول بنا رکھا تھا لیکن ۹۳۹ء میں قرامطہ ابوطاہر سلیمان کی قیادت میں مکہ معظمہ پہنچے اور عین ترویہ کے روز حاجیوں پر حملہ کر کے اُن کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ حاجیوں کو بیت الحرام میں قتل کیا۔ حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال کر اپنے مستقر ہجر (مکہ) جو بحرین کا دار الخلافہ تھا لے گئے تاکہ اپنے شہر میں حج مقرر کریں۔ بیت اللہ کا دروازہ اور محراب اکھاڑے گئے۔ مقتولین کے چند لاشے زمزم کے کنویں میں پھینک دئے گئے اور کچھ بغیر غسل و کفن کے مسجد حرام میں دفن کئے گئے۔

لے تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۱۴۹ تا ۱۶۰

اہل مکہ پر بھی مصیبتیں ڈھائی گئیں۔ ابوطاہر نے ۲۲ سال بعد ۳۲۹ھ میں حجر اسود واپس کیا۔ حجر اسود سے متعلق یہ واقعہ ہرمورخ نے لکھا ہے اور متفق علیہ ہے۔ اس واقعہ کا بیان ایک دوسرے مورخ کے قلم سے سنئے:

”ابوطاہر نے بیت اللہ کا دروازہ بھی کھود دیا اور ایک آدمی کو مینابِ رحمت اکھیرٹنے کے لئے اوپر چڑھایا۔ جہاں سے وہ گر کر مرا۔“

قرامطہ کا یہ امیر ابوطاہر اس موقع پر باب کعبہ پر بیٹھا ہوا تھا اور آس پاس کے حاجی قتل کئے جا رہے تھے۔ مسجد حرام اور شہر حرام اور یوم الترویہ (جو اشرف الایام ہے) میں معصوم حاجیوں پر تلواریں چل رہی تھیں اور وہ

یہ بیت پر ٹھہر رہا تھا: www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: ”میں اللہ کا ہوں“ اور اللہ کے ذریعہ ہوں۔ وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور میں انہیں فنا کرتا ہوں۔“

لوگ ان قاتلوں سے بھاگ بھاگ کر کعبہ کے پردوں سے چمٹتے تھے مگر اس کا بھی لحاظ کئے بغیر شہید کئے جاتے رہے۔ اُس دن ایک بزرگ طواف کر رہے تھے۔ ختم طواف پر اُن پر بھی تلوار پڑی۔ انہوں نے مرتے وقت شعر پڑھا جس کا ترجمہ ہے:

”تم اُن کے دیار میں اصحابِ کہف کی طرح مجتہد کو بے ہوش پڑا دیکھو گے کہ نہیں جانتے کتنی مدت گزر گئی۔“

ایک قرمطی مٹاف میں داخل ہوا جو سوار تھا اور شراب پئے تھا۔

لے تاتخ فاطمیین مصر صفحہ ۱۶۰ حصہ دوم

۱۱۵ھ ابن الاثیر ”تاتخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار“ الحق، ماہ جولائی ۱۹۸۵ء
۱۱۸ھ ذی الحجہ جس دن سے حج کے ارکان کی ادائیگی شروع ہوتی ہے۔

اُس کے گھوڑے نے بیت اللہ کے پاس پیشاب کیا۔ اُس نے حجرِ اسود کو ایک کلہاڑی مار کر توڑ دیا اور پھر اکھاڑ لیا۔ یہ قمرِ مطی مکہ میں گیارہ دن رہا اور جب اپنے وطن لوٹا تو اللہ نے اُس کے بدن پر ایک طویل عرصہ تک عذاب نازل کیا جس سے اُس کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے تھے اور اُس کے گوشت سے کیڑے ٹپکتے تھے۔ 'الصلہ' کا مصنف لکھتا ہے کہ ابوطاہر نے خلفاء کے وہ آثار لوٹ لے جو انہوں نے وہاں بطور زینت رکھے تھے مثلاً حضرت ماریہؓ کے کانوں کے بندے، حضرت ابراہیمؑ کے مینڈھے کے سینگ اور عصائے موسیٰؑ جو سونے اور جواہرات سے جڑے ہوئے تھے۔
(تاریخ الکامل)

احمد امین حرم میں قتلِ عام کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:
”ابوطاہر گھوم پھر کر اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر قتل پر ابھارتا تھا کہ ان کفار اور بت پرستوں پر خوب حملے کرو۔ اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے وہاں بارہ دن قیام کیا اور قتل و غارت کا ایسا اقدام کیا جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔“
(ظہر الاسلام)

قراٹھ کی سرگرمیاں ہندوستان میں

قراٹھ جو بنیادی طور پر اسماعیلی تھے ہندوستان میں بھی سرگرم عمل رہے۔ اسماعیلی داعی سندھ میں تیسری صدی ہجری میں آنے شروع ہوئے رفتہ رفتہ انہوں نے سندھ اور پنجاب کے وسیع علاقوں پر اقتدار حاصل کر لیا
۱۔ تاریخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار۔ ماہنامہ 'الحق' ماہ جولائی ۱۹۸۵ء

محمود غزنوی نے اُن کی سرکوبی میں نمایاں حصہ لیا اور ۳۹۶ھ میں ملتان قرامطہ سے واپس لے لیا مگر اسماعیلی فوراً اس پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ پھر اُس کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے اُس علاقہ کے ملاحدہ سے جنگ کی اور اُن کو گجرات کی طرف دھکیل دیا۔ لیکن خود سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت ایک اسماعیلی کے ہاتھوں ہوئی۔ ۶۳۳ھ میں قرامطہ و ملاحدہ کی ایک جماعت نے اطرافِ ہند سے اکٹھے ہو کر ایک عالم نما شخص نور ترک نامی کے ایمپائر تلواروں، ڈھالوں اور کلہاڑوں سے مسلح ہو کر جامع مسجد دہلی کو گھیرے میں لے لیا۔ یہ ایک فوج کی صورت میں جامع مسجد اور مدرسہ معری میں گھس گئے اور مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بہت سے لوگ ان ملاحدہ کی تلواروں کا شکار ہوئے اور کئی ہجوم میں کچلے گئے۔ یہ واقعہ سلطانہ رضیہ کے دورِ حکومت میں ہوا اور قاضی منہاج سراج نے طبقات نامی میں بالتصریح لکھا:

دروزیہ [مسلمانوں سے بدترین دشمنی]

دروزیہ اسماعیلیوں کی وہ شاخ ہے جو فاطمی امام / خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو (نعوذ باللہ) خدا مانتے ہیں۔ علامہ شمس الدین ذہبی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ ساحلِ شام پر الجرد و کسروان نام کے پہاڑ تھے جس میں ہزاروں روافض (دروزی) رہتے ہیں اور لوگوں کا خون بہاتے اور انہیں لوٹتے ہیں اور جب ۶۹۹ھ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اُن کے ساز و سامان پر قبضہ کر لیا اور انہیں کافروں اور قبرص کے نصاریٰ کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہ گذر نے والے مسلمان سپاہیوں کو بھی پکڑ لیتے تھے اور اس طرح وہ مسلمانوں کے لئے

لے آب کوثر، صفحات ۳۳۰ - ۳۳۱

ان تمام دشمنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔ اُن کے بعض امرار نے نصاریٰ کا علم بلند کیا یہ پوچھے جانے پر کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کون بہتر ہے؟ کہا کہ نصاریٰ بہتر ہیں۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ قیامت میں کس کے ساتھ حشر پسند کرو گے تو کہا کہ نصاریٰ کے ساتھ ان لوگوں نے کئی شہروں کو نصاریٰ کے حوالے بھی کیا ہے

روافض باطنیہ (اسمعیلی) [صلیبیوں سے تعاون]

علامہ شیخ ابوزہرہ روافض باطنیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”بلادِ شام اور اُس کے بعد عالم اسلام پر صلیبی حملے کے وقت انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ پر صلیبیوں سے دوستی کی چنانچہ جب صلیبی بعض بلادِ اسلامیہ پر قابض ہوئے تو انہیں اپنا مقرب بنایا اور مختلف عہدوں پر بحال کیا اور جب نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور دیگر ایوبی حکمران ہوئے تو یہ چھپ بیٹھے اور مسلمانوں کے اکابر اور بڑے سپہ سالاروں کے قتل کی سازش کرنے لگے“

اسمعیلی (نزاری) یا مشرقی اسمعیلی اکابر کا قتل

نزاری یا نزاریہ اسمعیلیوں کی وہ شاخ ہے جو فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کے بعد اس کے بیٹے احمد المستعلی کے بجائے اس کے بیٹے نزار کو امام برحق تسلیم

لے رسالہ الحق، ماہ مئی صفحہ ۱۴

(تاریخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار)

لے ایضاً

کرتی ہے۔ نزاری امامت کا سلسلہ مصر کی بجائے شمالی ایران میں قلعہ الموت پر قبضہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا بانی داعی حسن بن صباح ہے جو شیخ الجبال کے نام سے بھی معروف ہے۔ ایسا کون پڑھا لکھا شخص ہو گا جس نے حسن بن صباح اور اُس کی جنت اور حشیشین کا نام نہ سنا ہو۔ یہ حسن بن صباح ہی تھا جس نے ایک داعی کی حیثیت سے نزاری امامت کے سلسلہ کو قلعہ الموت میں مستحکم کیا۔ حسن بن صباح نے اس قلعہ پر ^{۳۸۳ھ} ۹۹۰ء میں قبضہ حاصل کیا۔ اس قلعہ کے نام محل وقوع اور ناقابلِ تسخیر ہونے سے متعلق بہت سی دلچسپ روایات ہیں یہی وہ قلعہ ہے جس کو E a p l e n e s h - شکرے / عقاب کا گھونسلہ کہا گیا۔ حسن بن صباح کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس قلعہ کے قبضہ کے بعد (۳۸۳ھ سے ۵۱۸ھ ۱۱۲۳ء) یعنی وفات تک قلعہ سے باہر نہیں نکلا۔ اُس نے ایک جان نثاروں کی تنظیم قائم کی اور اپنے فداہیوں کے ذریعہ قتل و غارت کے ایسے کارنامہ انجام دیے کہ اسلامی دنیا تھرا اٹھی۔ یہ واقعات ایک جرمن مصنف فان ہمیر نے اپنی کتاب *History of the Assassins* میں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ہم فان ہمیر کے تاثرات سے پہلے دوسرے حوالوں سے چند واقعات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

شام کے ممتاز عالم شیخ عبدالرحمن المیدانی لکھتے ہیں:

”^{۳۹۲ھ} ۱۱۰۰ء میں قرامطہ نے پھر زور پکڑا۔ اُن کے سرغنہ احمد بن عبدالملک عطاش (نزاری داعی) کا مرکز قلعہ اصفہان (قلعہ شاہ درہ) تھا اور حسن بن صباح

اسے یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی۔ اس کا انگریزی ترجمہ چارلس وڈ نے کیا ہے۔ حال ہی میں دوبارہ شائع ہوئی ہے اس کتاب سے سید امیر علی اور ڈاکٹر زاہد علی نے بھی استفادہ کیا ہے۔

King of Persia

کا الموت جس کے فدائیوں نے نظام الملک کو قتل کیا۔ ۳۹۸ھ میں خراسان و ہندوستان کے قافلہ حجاج کورے (بحر کسپین کے جنوب میں ایک مشہور شہر) کے پاس باطنیوں نے قتل کیا۔ بالآخر ۵۱۸ھ میں حسن بن صباح مرگیا۔ ۱۱۲۶ھ میں وہ پھر سرگرم ہوئے (نزاری داعی) بہرام بن موسیٰ نے شام کو مرکز بنایا اور صلیبی حملوں سے فائدہ اٹھایا۔ قلعہ بانیاس (دمشق سے قریب) پر قابض ہو کر مسلمانوں کو ستانے لگے۔ مزدقانی (المزدگانی) حاکم دمشق کا فاطمی وزیر نے صور (Tyre) کے صلیبیوں کو دمشق کی پیش کش کی اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع اموی کے دروازے بند کر کے انہیں قبضہ و لادے گا مگر یہ راز تاج الملوک امیر دمشق کو معلوم ہو گیا۔ اُس نے اُسے بلا کر قتل کر دیا اور اُسے کا سر قلعہ کے دروازے پر لٹکا دیا۔ ۵۲۳ھ میں اسمعیل باطنی (نزاری) نے پھر خراسانی حجاج کا قتل عام کیا مؤرخین کہتے ہیں کہ بلا دِ اسلامیہ کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں شرفار و حجاج کے اس قتل پر ماتم نہ ہوا ہو۔ ۵۴۱ھ میں صلاح الدین ایوبی قلعہ اعزاز (نزد حلب) کے محاصرہ کے دوران طائفہ اسدیہ کے امیر جاؤلی کے خیمہ میں گیا جہاں ایک باطنی نے اس کے سر پر حملہ کیا۔ مگر وہ مغفر کے سبب محفوظ رہا اور صحیح و سلامت نکل آیا۔

اکبر شاہ خاں تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں:

”ان ملحد فدائیوں کے ہاتھ سے جو لوگ قتل ہوئے اُن میں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر اعظم، الپ ارسلان، ملک شاہ سلجوقی، فخر الدین بن خواجہ نظام الملک، جناب شمس تبریزی (پیر طریقت مولانا رومی) نظام الملک معوذ بن علی وزیر خوارزم شاہ، سلطان شہاب الدین غوری ہیں سلطان صلاح الدین ایوبی اور حضرت امام فخر الدین

لہ سلجوقیوں کا نامور وزیر۔

لہ تاریخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار۔ ماہنامہ ’الحق‘ مئی ۸۵ء صفحہ ۱۶

رازیؒ کو بھی ملاحدہ (باطنیہ) نے قتل کی دھمکی دی مگر وہ بچ گئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا ذکر تو اوپر ہو چکا۔ اب ہم حضرت امام فخر الدین رازیؒ کا واقعہ سید امیر علی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”حسن بن صباح کی باطنیت مغربی اسمٰعیلیوں (فاطمی) سے مختلف تھی جیسا کہ شہرستانی اور محسن فانی نے واضح کیا ہے۔ اُن کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے قلم پر فدائیوں کا خنجر سوار تھا۔“

”امام فاضل فخر الدین رازیؒ نے رے میں فقہ کے متعلق درس دیا کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے اسمٰعیلیہ سے متعلق تنقید کی۔ اس کی اطلاع ’الموت‘ جس کو عقاب کا آشیانہ کہا جاتا تھا پہنچی اور فوراً ایک فدائی کو امام کی تنبیہ کے لئے مامور کیا گیا۔ فدائی نے رے پہنچ کر خود کو جناب امام کے درس میں شامل کر لیا۔ سات ماہ کے انتظار کے بعد امام کو اپنے حجرہ میں تنہا پا کر اُن کی چھاتی پر سوار ہو کر اُن کے گلے پر خنجر رکھ دیا۔ جناب امام کے دریافت کرنے پر فدائی نے کہا کہ تم کو اس لئے مارا جاتا ہے کہ تم نے اسمٰعیلیہ کی ملامت کی ہے۔ جناب امام نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا نہ کریں گے۔ فدائی نے اُن کی بات کو ماننے سے اُس وقت تک انکار کیا جب تک کہ انہوں نے خداوندِ الموت سے وظیفہ لینا قبول نہ کر لیا تا کہ وہ آئندہ نمک حرامی نہ کر سکیں۔“

اس واقعہ کو اسمٰعیلی مورخین نے بڑے افتخار کے ساتھ لکھا ہے۔ حسن بن صباح سے متعلق تفصیلی حالات جی۔ براؤن کی تاریخ ادبیات ایران (انگریزی) اور فان ہمیر کی تاریخ حشیشین میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان دونوں مصنفوں نے سلسلہ وار

لے تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۲۹۵

لے صفحہ ۳۳۱ The Spirit of Islam

اُن ناموں کی فہرست دی ہے جن کو اسمعیلی فدائیوں نے قتل کیا۔ فدائی تنظیم سے متعلق خود اسمعیلی تاریخ سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

”سیدنا راشد الدین سنان نے (۵۵۸ تا ۵۹۸ھ) جو شام میں اسمعیلی دعوت کے انچارج تھے سب سے پہلے اسمعیلیوں کو اندرونی طور پر منظم اور متحد کیا۔ دوسری طرف بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے فدائی بڑے بہادر تھے اور امام الوقت کے نام پر جان قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ یہ مختلف زبانیں جانتے تھے اور بڑے بڑے حکمرانوں کے خفیہ راز معلوم کرنے کے ماہر تھے۔ سیدنا سنان نے مختلف اسمعیلی قلعوں کے مابین پیغام رسانی کے لئے کبوتروں کو تربیت دے رکھی تھی۔ اور اس پیغام رسانی کے لئے ایک خفیہ زبان استعمال کی جاتی تھی۔ اس طرح آپ کبوتروں سے موجودہ دور کے وائرلیس کا کام لیتے تھے اور اس ذریعے چونکہ آپ کو دشمنوں کے پروگراموں کی اطلاع پہلے سے مل جاتی تھی اس لئے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔“

مندرجہ بالا اقتباس صاف ظاہر کر رہا ہے کہ شام میں چھٹی صدی ہجری میں اسمعیلی فدائیوں نے جو قتل و غارتگری کی اُس کا تعلق راشد الدین سنان کی تنظیم سے تھا۔ راشد الدین سنان کو تاریخ ائمہ اسماعیلیہ میں نزاری امام حسن علیٰ ذکرہ السلام [۵۵۷ تا ۵۹۱ھ] اور امام اعلام محمد [۵۹۱ تا ۶۰۷ھ] کے زمانہ میں شام میں اسمعیلی دعوت کا انچارج بتایا گیا ہے اور لکھا ہے:

”آپ (راشد الدین سنان) نے صلاح الدین ایوبی [۵۷۷ تا ۵۸۹ھ] والی مصر اور صلیبیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔“

لے تاریخ ائمہ اسماعیلیہ حصہ سوم صفحات ۶۸-۶۹

لے ایضاً صفحہ ۶۷

تاریخ ائمہ اسماعیلیہ میں حسن بن صباح کے ذکر میں کسی فدائی تنظیم کے قیام کے متعلق بالکل خاموشی اختیار کی گئی ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ الموت کی اسماعیلی ریت سے متعلق ”ہمارے پاس کوئی ٹھوس اسماعیلی ماخذ نہیں ہے“ گویا اس طرح اس اقرار سے کہ حسن بن صباح نے بھی کوئی فدائی تنظیم قائم کی تھی پہلو تہی کی گئی ہے۔ لیکن قطعہ الموت سے ہدایات پر فدائیوں کی ہلاکت خیزلیوں کے واقعات کسی ثبوت کے محتاج نہیں:

قریب ہے یار و روزِ محشر چھپے گاکشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا

خالص اسماعیلی ذرائع سے اقتباس پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اب ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو حسن بن صباح کی تمام ہلاکت خیزلیوں کا جواز پیش کر رہا ہے اور اسماعیلیہ تو اس کو سیدنا حسن بن صباح قدس سرہ لکھنے لگے ہیں: بہ بین تفاوت رہ از کجا است تابہ کجا۔

ہمیں اس کا پورا پورا احساس ہے کہ عامۃ المسلمین کو اسماعیلی فدائیوں کی ہلاکت خیزلیوں کا علم اب تک پورے طور سے نہ ہو سکا۔ قریباً ساٹھ ستر سال قبل مولانا عبدالحلیم شرر نے ’فردوس بریں‘ اور سوانح عمری حسن بن صباح میں ان ہلاکت خیزلیوں اور ان کے محرکات پر کافی روشنی ڈالی تھی۔ مگر یہ کتابیں ادبی حلقوں تک محدود رہیں۔ کوئی مستقل کتاب اردو زبان میں ’فدائی تنظیم‘ سے متعلق نہیں لکھی گئی۔ حالات کے اعتبار سے اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اب بدلی ہوئی فضا میں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یہ ضرورت محسوس ہوتی لیکن ہمارا مقصد تو صرف اسماعیلیوں کا منفی کردار پیش کرنا ہے۔ لہذا حسن بن صباح کی فدائی تنظیم کا ذکر

دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :

”اب تک اسمعیلیوں میں صرف داعی اور رفیق ہوتے تھے۔ داعی دعوت کے خفیہ طریق کار سے واقف ہوتے تھے اُن کا کام اسمعیلی دعوت کی طرف راغب کرنا تھا جبکہ رفیق زیر تربیت افراد ہوتے تھے۔ اس خفیہ جماعت میں ان دو قسم کے افراد کی اکثریت تھی۔ حسن بن صباح نے اپنے مقاصد کی برآری کے لئے ایک تیسرے طبقہ کی ضرورت سمجھی جو بلا سوچے سمجھے اور بُرے سے بُرے انجام سے لاپرواہ ہو کر اپنے آقا کے احکامات کی تعمیل کرے۔ قاتلوں کی اس برادری کا بھرپور سیدنا، کہلاتا تھا جسے عام طور پر شیخ الجبال، بھی کہتے تھے۔ فدائی اس کے محافظ تھے اور اُس کے قتل و غارتگری کے احکامات کی بے دھڑک تعمیل کرتے تھے۔“

فدائیوں کے متعلق سید امیر علی لکھتے ہیں:

”عیسائی حکمرانوں نے بھی الموتی قاتلوں کو اپنے دشمنوں سے نجات

پانے کے لئے استعمال کیا۔ انگلستان کے رچرڈ نے Conrad

of Montferrat کو الموت کے ایک فدائی کے ذریعہ قتل کرایا

حتیٰ کہ ایک پوپ نے بھی Frederick Barbarossa سے گلو خلاصی

کے لئے ایک فدائی کو استعمال کیا اگرچہ وہ ناکام رہا۔“

اسماعیلی فدائیوں کی یہ کارگزاریاں جو اُن کے ائمہ معصومین کے لیا پر

ہوتی رہیں اُن کے سیاہ اعمال نامہ کو لبریز کرنے کے لئے کچھ کم نہ تھیں کہ انہوں

نے خلافت عباسیہ کی تباہی کو ہی بصد فخر ایک شاندار کارنامہ کی حیثیت سے

۱۱ History of the Saracens صفحہ ۳۱۸

۱۲ The Spirit of Islam صفحہ ۲۳۲

اپنے ذمہ لے لیا۔ خلافت عباسیہ کی تباہی تو ایسی تھی کہ سعدیؒ کو کہنا پڑا:
آسمانِ راحی بود گر خونِ بہار دبر زین بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت را بر آری سرز خاک سر بر آو این قیامت را بہ میں

لیکن نزاری اسماعیلیوں نے بجائے اس کے کہ اپنا داغدار دامن چھپاتے
اس کو بھی اپنے ماتھے کا ٹیکہ بنالیا۔ وہ اس طرح کہ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کو جو اس
تباہی کے اہم کردار ہیں۔ الموت کا تربیت یافتہ بلکہ نزاری امام علامہ الدین محمد
۶۱۸-۶۵۳ھ کا مشیر بتلایا گیا ہے؛
۱۲۲۱-۱۲۵۵ھ

www.KitaboSunnat.com

”آپ (نصیر الدین طوسیؒ) نے سب سے پہلے قحستان کے اسماعیلی گورنر ناصر الدین
عبد الرحیم بن منصور جو خود ایک عالم و فاضل تھے کی ملازمت کی اور اسی کے نام پر
اخلاقِ ناصری لکھی۔ اُس کے بعد طوسیؒ ’الموت‘ چلے گئے اور وہاں اسماعیلی امام کی زیر
سرپرستی علم و ادب کا کام کرنے لگے۔ آپ نے اسماعیلی عقائد پر متعدد کتابیں لکھیں
جن میں سے ”روضۃ التسليم“ (تصورات) مطلوب المومنین اور مرآۃ المحققین خاص
طور پر قابل ذکر ہیں۔ ریاست ’الموت‘ کے خاتمہ کے بعد نصیر الدین طوسیؒ نے منگول
سردار ہلاکو خان کی ملازمت اختیار کر لی“

نصیر الدین طوسیؒ نے مسلمانوں کی تباہی کے لئے جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی بھی
ذی فہم مسلمان بلکہ انسان کے لئے باعثِ فخر نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا کیا جائے جب
بھی مسلمانوں کی تباہی کا ذکر آتا ہے تو درودِ ہوا سے آواز آنے لگتی ہے:
سعدیؒ از دستِ خویشتن فریاد

۱۲۵ تاریخ ائمہ اسماعیلیہ جلد سوم صفحہ ۸۷

۱۲۵ تاریخ ائمہ اسماعیلیہ صفحہ ۹۲-۹۳

ایک سوال

آج بیسویں صدی کا نوجوان جب یہ پوچھتا ہے کہ کیا یہ حشیشین مسلمان تھے؟ تو جواب دیتے وقت نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں اور زبان سے الفاظ کی جگہ آنکھوں سے جوئے خوں جاری ہو جاتی ہے۔

حسن بن صباح کی زندگی ایک مشرق کی نظر میں

چلتے چلتے فان ہمیر کے قلم سے حسن بن صباح کی زندگی کا پتھر بھی سن لیجئے:

... after a blood-stained reign of thirty-five years, during which he not only never quitted the Castle of Alamut, but had never removed more than twice, during this long period from his chamber to the terrace. Immovable in one spot, and persisting in one plan, he meditated the revolutions of empires by carnage and rebellion, or wrote rules for his order, and the catechism of the secret doctrine of libertinism and impiety. Fixed in the Centre of his power - - - with the pen in his hand, he guided the daggers of his Assassins."

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ترجمہ: ”حسن بن صباح خونِ ناحق سے داغدار ۳۵ سالہ حکومت کے بعد قدرتی موت مرا۔ اس عرصہ میں اُس نے ’قلعہ الموت‘ سے پاؤں باہر نہیں نکالا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے حجرہ سے بھی صرف دو بار صرف ٹیرس (رودن) تک آیا وہ اپنی جگہ سے ہلنا تک نہ تھا اور تمام وقت یا تو حکومتوں میں قتل و غارت اور بغاوت کے ذریعہ انقلاب لانے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا یا اپنی تنظیم کے قواعد و ضوابط مرتب کرتا رہتا تھا یا اپنے خفیہ اعتقادِ رندی و سرمستی سے متعلق تعلیم کے لئے سوال و جواب ترتیب دیتا رہتا تھا۔۔۔۔۔ وہ قلم ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی تنظیم کے فدائیوں کے خنجروں کے لئے سینوں کی نشاندہی کرتا تھا“
 داعی حسن بن صباح اور اس کے بعد ایک امام حسن علی ذکرہ السلام کے متعلق مشہور مورخ امیر علی لکھتے ہیں:

”یہ مجنون انقلابی (حسن) الموتی تاریخ میں علی ذکرہ السلام کے نام سے مشہور ہے جو بگڑ کر ذکر السلام ہو گیا۔ اُس وقت سے الموت کی تباہی تک ان دونوں حسنوں (حسن بن صباح اور حسن علی ذکرہ السلام) کے مریدین نے بے گناہ معاشہ (عوام) سے ظلم و ستم کے لئے ذرا سے بھی پچھتاوے کے احساس کے بغیر جنگ جاری رکھی۔ وہ حقیقت میں دنیاۓ اسلام کے *دلائل* تھے۔ ان کے خنجروں کے عیسائی اور مسلمان دونوں شکار ہوئے۔“

برصغیر میں نزاری امامت کا منفی کردار

جیسا کہ گذشتہ باب میں ذکر کیا گیا ہے نزاری امامت گذشتہ صدی میں ایران سے برصغیر ہندوپاک میں منتقل ہوئی۔ اس سلسلہ میں ہم *Encyclopaedia Britannica* سے اقتباس پیش کرتے ہیں:

یہ *Nizari* زار روس کے زمانہ میں دہشت گردوں کی تحریک جس کا مقصد معاشرہ کو ٹپٹ کر کے نیا نظام قائم کرنا تھا۔

”آخر کار فتح علی شاہ قاجار اُن (امام حسن علی شاہ آغاخان اول) سے شدید طور پر ناراض ہو گیا۔ وہ ایران سے بھاگے اور بھارتی قلمرو میں پناہ طلب کی اور یہ چاہا کہ بمبئی کو اپنا مرکز بنا کر ہندوستان میں مستقل طور پر قیام کریں ایران سے افغانستان کے راستہ آتے ہوئے اُن کو برطانوی فوج کے ساتھ خدمات انجام دینے کا موقع ملا انہوں نے خود کو قطعی طور پر برطانیہ سے وابستہ کر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے تسخیرِ سندھ کے سلسلہ میں گراں قدر خدمات انجام دیں جب نیپیر (سرچارلس نرفارٹج سندھ) کو سرحدی قبائل کو زیر کرنے کے لئے اُن کی مدد کی ضرورت پیش آئی کیونکہ اُن میں سے بھاری تعداد کے وہ روحانی پیشوا تھے۔ جب وہ ہندوستان میں مستقل طور پر آباد ہو گئے تو اُن کو اسماعیلیوں کے سربراہ کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا اور اُن کو ہر ہائٹس کا خطاب دیا گیا۔ اسماعیلیوں کے امام مذکور نے ایران میں کیا کیا تھا جو اُن کو وہاں سے آٹھ سو سالہ امامت کا مرکز اُسی طرح چھوڑنا پڑا جس طرح فاطمیوں کو مصر سے یمن منتقل ہونا پڑا تھا اور افغانستان اور اس کے بعد سندھ میں کس نوعیت کی خدمات جلیلہ انجام دی ہوں گی کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ حکومتِ برطانیہ کی اُن پر الطاف و اکرام کی بارش اُس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یوں بھی عقلمند را اشارہ کافی است۔ تاریخِ ائمہ اسماعیلیہ میں نزاری امامت کی ایران سے منتقلی اور ہندوستان میں اسماعیلی ائمہ (معصومین) کی سرگرمیوں کو کافی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے برطانوی غلامی سے آزادی کے بعد برطانوی اقتدار کی کامیابی اور بقار کے لئے خدمات کا ذکر بڑی ہمت کی بات ہے۔ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو جن حالات میں وہ ایران سے آئے تھے اُن میں اُن کی

صفحہ ۳۳۶ - جلد اول - آغاخان اول - دیکھئے Encyclopaedia Britannica
An Appeal to the Sri Solomon House - by Kaim Gulamali

سلامتی اسی میں تھی کہ وہ حکومت برطانیہ کا ساتھ دیں چاہے وہ ملک جہاں وہ پناہ حاصل کرنے آئے تھے غلام ہی ہو جائے اور خود مسلمانوں کا اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا گیا ہے:

’قوے فروختند وہ ارزاں فروختند‘

نزاری اسمعیلیوں کا منفی کردار اب ناظرین کے سامنے ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے پاس بہت مواد ہے۔ اس میں انتخاب بڑا مشکل رہا بلکہ اب بھی بہت سا میٹریل ہے جو پیش کرنے کے قابل ہے۔ مگر طوالت کے خوف سے اب ہم برطانیہ سے وفاداری اور اسلام دشمنی کا ایک اور ثبوت پیش کرتے ہیں:

خلافت عثمانیہ کے خلاف آغاخان سوئم کی برطانیہ نوازی

ہم بتلا چکے ہیں کہ آغاخان اول نے کس طرح سندھ کو غلام بنانے میں انگریزوں کی مدد کی تھی۔ آغاخانوں نے برطانیہ نوازی کا سلسلہ جاری رکھا حتیٰ کہ آغاخان سوئم نے اس صدی کے شروع میں جنگ بلقان کے دوران ایک مضمون لکھا، جس میں ترکوں کو سرزمینِ یورپ چھوڑ کر ایشیا چلے جانے کا مشورہ دیا جس سے خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کا وقار شدید طور پر مجروح ہوا اور مسلمانانِ عالم میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ علامہ شبلیؒ نے اس سلسلے میں دو نظمیں لکھیں ایک اردو میں دوسری فارسی میں فارسی نظم کا مقطع جو خواجہ شیراز سے مستعار ہے معنی خیز ہے:

لے کلیاتِ شبلی اردو صفحہ ۵۷-۵۸۔

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
 ناخلف باشم اگر من بہ جوئے نفروشم
 [باپ نے جنت کو گندم کے دو دانوں کے بدلہ بیچ دیا میں ناخلف ہوں
 گا اگر ایک جو کے بدلے میں نہ بیچ دوں]
 اس مقطع کے بعد کچھ کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔
 ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

فاطمیوں یا مغربی اسماعیلیوں کا منفی کردار

گذشتہ باب میں ہم ذکر کرتے ہیں کہ فاطمیوں کو ۳۹۷ھ میں دنیاوی
 اقتدار مل گیا اور اُن کی حکومت ۵۶۷ھ تک رہی۔ لہذا ہم نے فاطمی ائمہ /
 خلفاء کے لئے ایک علیحدہ باب رکھا ہے جس میں اُن کے دور کو شخصی حکمرانی
 کے مقابل پیش کیا گیا ہے۔ یہاں پر صرف چند امور کا مختصر ذکر کیا جائے گا۔

حجر اسود کی بے حرمتی میں فاطمیوں (مغربی اسماعیلیوں) کا تعاون

قرامطہ کی ہلاکت خیز لیوں اور حجر اسود کی بے حرمتی کے ساتھ ساتھ حاجیوں کے
 قتل عام کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کرتے ہیں۔ یہ ایسے کام ہیں جن کی توقع شیئاً
 اسلام سے بھی نہیں کی جاسکتی۔ فاطمی خلیفہ المعز لدین اللہ (۳۳۱-۳۹۵ھ)
 نے قرامطہ کے ان نازیبا و قابلِ ملامت افعال کو نظرِ استحسان سے دیکھا؛ وہ حسن
 قرمطی کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”تو کیوں اپنے دادا ابو سعید الجنابی اور (اپنے چچا) ابوطاہر سلیمان کی پیروی نہیں کرتا۔ کیا تو نے اُن کی کتابیں نہیں پڑھیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ وہ ہمارے ایسے بندے تھے جن کا عزم قوی، عمل نیک اور راستہ سیدھا تھا۔ ہماری تائید اور برکت سے انہوں نے بنو عباس کا مقابلہ کر کے ملک حاصل کیا اور سردار بن گئے اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی عنایت کی نظر رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دنیا سے گذر کر جنت میں جا بسے۔ اُن کی زندگی اچھی گذری۔ اُن کے مرنے کے بعد ان کے افعال مفقود ہو گئے۔ اُن کے لئے (آخرت میں) خوشحالی اور اچھا ٹھکانہ ہے۔۔۔۔۔

تو نہیں جانتا تھا کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اُس کو ایک نور بنایا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اُس کے ذریعہ دین کا راستہ دکھلاتے ہیں^۱“

حسن قرمطی جس کو یہ خط لکھا گیا ابوطاہر سلیمان کا جس کی سرکردگی میں ۳۱۷ھ/۹۲۹ء میں حجر اسود کی بے حرمتی کی گئی تھی اور حاجیوں کا قتلِ عام کیا گیا تھا۔ یہ خط ۳۷۳ھ/۹۸۴ء میں لکھا گیا۔ اس سے فاطمیوں اور قرامطہ میں قریبی تعلق کی تصدیق ہوتی ہے۔ فاطمی ائمہ جن کو نہ صرف فاطمی بلکہ مامور من اللہ اور معصوم ہونے کا دعویٰ تھا ان کا حجر اسود کی بے حرمتی اور حاجیوں کے قتلِ عام کو نظرِ استحسان سے دیکھنا یہ کہنے کے لئے مجبور کر دیتا ہے:

’چو کفر از کعبه برخیزد کجا ماند مسلمانی‘

مغربی اسماعیلیوں کا صلیبیوں سے تعاون
ڈاکٹر زاہد علی تارخ فاطمین مصر میں لکھتے ہیں:

۱۸۰

”اسی زمانے میں صلیبیوں کے حملے شروع ہوئے۔ بنو فاطمہ کو دوسری اسلامی ریاستوں سے اتحاد کر کے اُن کا مقابلہ کرنا چاہیے تھا مگر انہوں ایسا نہ کیا بلکہ صلیبیوں سے مل گئے جنہوں نے اُن سے بے وفائی کی اور عین وقت پر اُن کی دوستی چھوڑ دی۔“ (تفصیلات تاریخ ہذا میں دیکھی جاسکتی ہیں) سلوسٹر ڈی۔ ساسی کتنے کرب سے لکھتا ہے:

“One of the most illustrious, most certainly, of the victims of the fury of Smailites is Saladin. It is true, this great prince escaped their attacks, but he was twice on the spot of losing his life by these wretches daggers.”

(Note 'D')

ترجمہ: یقینی طور پر اسماعیلیہ کے غیظ و غضب کے سب سے نامور شکاروں میں سے ایک صلاح الدین ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اُن کے حملوں سے محفوظ رہا۔ لیکن دو مرتبہ ایسا ہوا کہ قریب تھا کہ وہ ان بد بختوں کے خنجروں سے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔“

۱۔ تاریخ فاطمیتین مصر حصہ دوم صفحہ ۶۳ و ۶۹۹
۲۔ ^{the} History of the Assassins at صفحہ ۲۹۵

اسماعیلیہ کے منفی کردار کے محرکات عرب و عجم کی کشمکش

قرامطہ نے خصوصی طور پر حاجیوں کا قتل عام کیا۔ مساجد کو جلایا۔ حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کی بے حرمتی کی۔ حجرِ اسود کو اکھاڑ کر حجر (بحرین) کا دار الحکومت لے گئے۔ اول تو قرامطہ جیسا کہ گذشتہ باب میں ذکر کیا گیا ہے ظاہری اعمالِ شریعت سے (مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ) سے بے نیاز ہو گئے تھے اس لئے اُن کی نظریں مساجد، بیت اللہ، حجرِ اسود اور حجاجِ کرام کا وہ احترام ہی نہ رہا تھا جو ایک عام مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ لیکن اس میں عرب اور عجم کی کشمکش کی شدت بھی نظر آتی ہے کیونکہ اس کو صرف اُس ذوقِ حکمرانی کی تسکین پر محمول نہیں کیا جاسکتا جو عام طور پر حوصلہ مند افراد یا قبائل کو قسمت آزمائی کے لئے راجب کیا کرتی ہے۔ قرامطہ کا مقصد حجرِ اسود کی منتقلی سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ وہ بحرین میں حج مقرر کرنا چاہتے تھے۔ حاجیوں کو لوٹنے سے بھی یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ حجاج کو بلادِ عرب جاتے ہوئے دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ اُن کو عرب کی یہ سربلندی شاق گذرتی تھی۔ اس نفرت کا اندازہ فردوسیؒ کے ان اشعار سے ہوتا ہے:

ز شیرِ شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسیده است کا
کہ تاجِ کیاں را کنند آرزو تفویر تو اے چرخِ گرداں تفو

ترجمہ: اونٹنی کا دودھ پیتے پیتے اور گوہ کا گوشت کھاتے کھاتے عرب اب اس قابل ہو گئے کہ وہ قیصر و کسریٰ کے تاج کی آرزو کرنے لگے۔ اے آسمان

لہ محمود غزنوی کا دوباری شاعر۔

تو برباد ہو۔

فردوسی کے بعد ناصر خسرو علوی باقاعدہ قتل و غارت کی ترغیب دیتا نظر آتا ہے:

وقت آں آمد کہ روز کیں چو خاکِ کربلا آب را در دجلہ از خونِ عدوِ احمر کنی
اے نبیرہ آں کہ زوشد در جہاں خیبر سمر دیر بر ناید کہ تو بغداد را خیبر کنی
ترجمہ: اب وہ وقت آگیا ہے کہ میدانِ کربلا کی طرح تو دشمنوں کے خون
سے دجلہ کے پانی کو سرخ کر دے۔ اے فاتحِ خیبر کے پوتے تو بغداد کو خیبر کرنے
یعنی فتح کرنے میں کیوں دیر لگا رہا ہے۔

عمر خسرو علوی کے بعد ہم رضائے کرد کے اشعار بھی پیش کرتے ہیں جن کو
براؤن نے عرب اور ایران کی کشمکش کی تائید میں تاریخ ادبیات ایران میں
پیش کیا ہے:

بشکتِ عمر پشتِ ہزیرانِ اجم را بربادِ فنادادِ رگ و ریشہِ جم را
ایں عربہ بر غضبِ خلا ز علی نیست با آلِ عمر کینہِ قدیم است عجم را
ترجمہ: عمرؓ نے ایران کے شہ سواروں کی مکر توڑ دی۔ اور ایرانی عظمت
کی دھجیاں اڑا دیں۔ ہمارا یہ جھگڑا علیؓ کی خلافت کے غضب کرنے پر نہیں
ہے بلکہ عربوں سے تو ہماری خصومت پُرانی ہے۔

مشرقی اسمعیلیوں کی قتل و غارتگری کے لئے اس سے واضح محرک اور
کیا ہو سکتا ہے:

مغربی اسمعیلی یعنی فاطمی تو ابتداء ہی سے عباسی خلافت کے درپے تھے

۳۹۵-۵۴۸ھ

۱۰۰۵-۱۰۸۴ھ

نوٹ: اس سلسلہ میں اس دور کے مصنف آتاتے حسین کاظم زادہ کی تصنیف 'تجلیاتِ روح'
ایرانی در ادوارِ تاریخی' کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

لہذا قرامطہ کی ایمان سوز حرکتوں میں اُن کا تعاون شاید اس وجہ سے تھا کہ قرامطہ کی دہشت گردی سے عباسی خلافت کا استحکام متاثر ہو رہا تھا اور اس سے اُن کا بغداد پر قبضہ کا منصوبہ کامیاب ہوتا نظر آتا تھا اور ہوا بھی یہی کہ فاطمی ۵۲۵۰ھ میں بغداد پر قابض ہو گئے۔ یہ قبضہ صرف ایک سال رہا وہ توفاطمیوں کا امیر بسا سیری اگلے ہی سال طغرل کے ہاتھوں قتل ہو گیا ورنہ مورخین کا خیال ہے کہ یہ قبضہ دیرپا ثابت ہوتا۔

نزاری امامت کا قائم کرنے والا حسن بن صباح تھا۔ حسن بن صباح نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا اس کے محرکات کے لئے ہم فان ہمیر کے تاثرات پیش کرتے ہیں:

..... and as he had not been successful in the usual routine of ministerial ambition in playing a part in the empire of ^{the} Seljukides, he afterwards, as nuncio and envoy, paved the way to his own power, and planned a system of administration of his own."

ترجمہ: اور چونکہ وہ سلجوقیوں کی حکومت میں وزارت کے حصول میں ناکام ہو گیا تھا لہذا اُس نے ایک (اسمعیلی) داعی کی حیثیت سے اپنے ذاتی اقتدار کے لئے راستہ ہموار کیا اور نظم و نسق کے لئے خود اپنا طریق کار مرتب کیا۔ فان ہمیر کے مندرجہ بالا تاثرات اپنی جگہ اہم ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ

۱۔ تاریخ فاطمیین مصر جلد اول صفحہ ۳۰۳

۲۔ فان ہمیر۔ تاریخ حشیشین صفحہ ۷۰

ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حسن بن صباح جو پہلے امامیہ (اثنا عشری) تھا اُس کو اسمعیلیت میں کون سی خوبی نظر آئی جو وہ اسمعیلی دعوت کا شکار ہوا۔ دراصل امامیہ (اثنا عشری) میں بارہویں امام کی غیبت کے بعد سے ایک خلا رچلا آتا ہے وہ یہ کہ اگر بالفرض اُن کو دنیاوی کامیابی ہو جائے تو اس کی سربراہی کے لئے امام کہاں سے آئے کیونکہ اُن کے یہاں امام مہدی توقیامت سے قبل ہی ظاہر ہوں گے۔ حسن بن صباح جس کے عزائم بہت بلند تھے وہ اس کمزوری کو سمجھتا تھا۔ اس کا حل اسمعیلیہ کے یہاں موجود تھا کیونکہ اُن کے یہاں خلافت کا سلسلہ جاری تھا اور امام کی موجودگی میں بھی اصل حکومت داعیوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ حسن بن صباح کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے اسمعیلیت میں بہتر مواقع نظر آئے اور ہوا بھی یہی جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ اُس کے دور میں نزاری امام ہادی و امام مہدی برائے نام امام تھے اور خود حسن بن صباح سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ عرب و عجم کی کشمکش سے بے نیاز تھا۔ اسمعیلیت ہو یا اثنا عشری شیعیت دونوں کی ابتداء ترقی میں ایرانی پیش پیش نظر آتے ہیں مگر صورت حال یہ تھی کہ وہ درخت جو ایرانیوں نے لگایا تھا اُس کے پھل شمالی افریقہ، مصر و حجاز و شام والے کھا رہے تھے۔ غالباً اس پس منظر میں حسن بن صباح نے شمالی ایران میں نزاری امامت کا سلسلہ قائم کیا۔ اب رہی اُس کی فدائیوں کی تنظیم اور دیگر حرکات تو وہ نفسیاتی طور پر ناکامی کا نتیجہ ہو سکتے ہیں جس کا ذکر فان ہمیر نے کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ جب ناکامی کے بعد انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو انتقام کی پیاس گناہ گار اور بے گناہ کے خون میں تمیز نہیں کرتی بلکہ ایمان اور آخرت کا خوف بھی اُس کی خون آشام تلواروں

کو روکنے میں اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ مختصراً حسن بن صباح کو (جیسا کہ اس کی زندگی سے ظاہر ہے) ایک نفیاتی ریض بھی کہا جاسکتا ہے جو اسماعیلی عقائد اور اسماعیلی دعوت کا ایک لازمی نتیجہ ہے جیسا کہ کچھ عرصہ قبل مصر میں فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے مجنونانہ افعال سے ظاہر ہوا۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے:

”۳۲ھ میں الحاکم بامر اللہ نے (جو فاطمی خلیفہ ہونے کے علاوہ دروزیہ کا خدا بھی ہے) یہ کوشش کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور دونوں صحابہ کرامؓ کے جسد ہائے مبارک چرالے جائیں۔ اس کے بھیجے ہوئے اشخاص اس کوشش میں ناکام رہے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ (ڈکٹری آف اسلام صفحہ ۳۲۵)

اسماعیلیہ کے منفی کردار کے اثرات
قرامطہ کے قتل و غارت کے اثرات مشہور مورخ سید امیر علی کی زبانی سنتے: ”لیکن (قرامطہ کی) بغاوت کے تباہ کن اثرات کبھی بھی زائل نہ ہو سکے۔ جزیرۃ العرب اور شام کا بڑا حصہ ویران ہو گیا۔ خلافت کے دست و بازو مفلوج ہو گئے۔ اور بازلطینیوں کو جو اسلام کے قدیم دشمن تھے مسلمانوں کے علاقوں میں قتل و غارتگری کی کھلی چھوٹ مل گئی۔“

اسماعیلی فدائیوں کی ہلاکت خیزیوں اور صلیبیوں سے تعاون سے جو صورت حال پیدا ہوئی اس کو فان ہمیر نے چار سطروں میں بیان کیا ہے:
ترجمہ: عیسائیت اور الحاد (یعنی) نیک جنگجوؤں کی صلیب اور اسماعیلی فدائیوں کے خنجر، دونوں نے ایک ہی وقت میں اسلام اور مسلمان حکمرانوں کی تباہی کے لئے خفیہ طور پر منصوبہ بندی کی۔“

۱۷ عربوں کی تاریخ۔ امیر علی صفحہ ۲۹۸-۲۹۹

اسمعیلیہ کے اس منفی کردار سے اسمعیلیہ کو
مسلمانوں کا ہمدرد سمجھنا تاریخ سے لاعلمی
کی دلیل ہے اور خود اسمعیلیہ کا یہ دعویٰ کہ
وہ مسلمانوں کے ہمدرد رہے ہیں اور بدستور
ہیں شاید آنے والی نسلیں ہی مستقبل کی
کسوٹی پر پرکھ کر اور ماضی کو فراموش کر کے
تسلیم کر سکیں ورنہ ہم تو یہی کہیں گے :

مجھ تک کب اُن کی بزمِ آتاتحاد ورجام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں



باب ہفتم

فاطمی ائمہ معصومین کا سیاسی کردار (۱)

اُن سے متعلق غیر یقینی معلومات

اس باب میں ہم مغربی اسماعیلیوں کے فاطمی خلفاء کا ذکر کریں گے جن کو مامور من اللہ اور امام معصوم کہا جاتا ہے دراصل دیکھنا یہ ہے کہ کیا اُن کا کردار بہ حیثیت ایک حکمران کے دنیا کے عام حکمرانوں سے مختلف رہا؟

امام/خلیفہ عبید اللہ المہدی $\frac{۲۹۴}{۶۹۳}$ - $\frac{۳۲۲}{۹۰۹}$ ھ

(۱) عبید اللہ المہدی نے $\frac{۲۹۴}{۶۹۳}$ ھ میں مغرب اقصیٰ میں اقتدار سنبھالا جس کا صدر مقام رقادہ (مراکش اور برقعہ کے درمیان) تھا۔ اقتدار کی اس سیاسی جدوجہد میں ابو عبد اللہ شیعہ نے اُس کا ساتھ کچھ اُس سے زیادہ دیا جتنا کہ ابو مسلم خراسانی نے عباسیوں کا دیا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ابو عبد اللہ کے ساتھ بھی وہی ہوا جو ابو مسلم خراسانی کے ساتھ ابو العباس السفاح نے کیا۔ بلکہ امام عبید اللہ نے ابو عبد اللہ ہی کو

لہ اس کا اصل نام عبد اللہ تھا۔ تقیہ کے تحت اس نے اپنا نام عبید اللہ رکھا اور یہی مشہور ہوا۔
نوٹ: اس باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ تاریخ فاطمیین مصر جلد اول و دوم سے لیا گیا ہے۔

نہیں اس کے بھائی کو بھی قتل کرادیا اور طرفہ تماشا یہ کہ عبید اللہ المہدی نے ابو عبید اللہ کی نماز جنازہ بھی پڑھی ہے

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اُس زودیشیاں کا پشیمان ہونا
(۲) اپنی حکومت کے چند سال بعد عبید اللہ نے جاسہ بن یوسف کو ایک زبردست بحری بیڑہ دے کر مصر کی فتح کے لئے بھیجا مگر وہ اس میں ناکام رہا۔ ناکام واپسی پر مہدی نے اُس کو قتل کر وادیا لیکن اپنے بیٹے کو جو دوسری بار مصر فتح کرنے گیا اور ناکام واپس آیا کچھ نہ کہا گیا۔ (یہ ایک امام معصوم کا انصاف تھا)
ان دو واقعات کے بعد ہم مقریزی کا تجربہ نقل کرتے ہیں:

”وہ مہدی، خلفائے بنی عباس میں سفاح کی مانند تھا جس طرح سفاح جمہ (شام) سے بنو امیہ کی خلافت پر غلبہ حاصل کرتا ہوا نکلا جب کہ اُس کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے اور ابوسلمہ خلال اُس کی تائید میں مصروف تھا۔ اسی طرح عبید اللہ المہدی (سلمیہ) شام سے نکلا جب کہ جاسوس اُس کی تاک میں تھے اور ابو عبید اللہ شیعہ اُس کی دولت کی تمہید میں مشغول تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنا مقصد حاصل کیا اور دولت قائم کرنے والے کو قتل کیا“

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فاطمی خلافت کے قیام کے لئے جو جدوجہد کی گئی اس کی نوعیت اُس سے قطعاً مختلف تھی جیسی کہ عام قسمت آزما
thing is fair in love (محبت اور جنگ میں ہر حرکت روا ہے)
کے تحت کرتے آتے ہیں۔ اور اس کے بعد یہ کہہ کر سکون حاصل کر لیا جاتا ہے۔
and justifies the means (انجام کار طریقہ کار کا جواز ہوا کرتا ہے۔)

لے تاریخ فاطمیین مصر، جلد اول، صفحہ ۱۳۵

امام ابوالقاسم محمد القاسم بامر اللہ (۳۲۲-۳۳۳ھ / ۹۳۳-۹۴۵ھ)

وسنفلہ کا بیان ہے:

”یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ابوطاہر قرطبی سے ملا ہوا تھا اور اسی کے حکم سے بحرین اور ہجر کی مسجدیں اور کلام مجید کے نسخے جلانے گئے۔“

امام ابوطاہر اسمعیل المنصور باللہ (۳۳۴-۳۴۱ھ / ۹۴۵-۹۵۲ھ)

ابویزید خارجی کی بغاوت کا سلسلہ امام ابوالقاسم (مندرجہ بالا) کے زمانہ سے چل رہا تھا۔ امام ابوطاہر نے کامیابی کے بعد ابویزید کے ساتھ جو کچھ کیا وہ عیون الاخبار کے حوالہ سے پیش کیا جاتا ہے:

”دوسرے مخالفین کو عبرت دلانے کے لئے ابویزید کے جتنے کی کھال کھنچوائی اور اُس میں گھاس بھرا کر اس کا ایک ڈھانچہ تیار کر وایا۔ یہ ڈھانچہ ایک پنجرے میں رکھا گیا جس میں دو بندر چھوڑے گئے تاکہ وہ اس ڈھانچہ سے کھیلیں۔“
مورخین اُس کا مقابلہ عباسی خلیفہ ابو منصور سے کرتے ہیں کیونکہ دونوں کی حکومتوں میں بغاوتیں ہوئیں اور اُن کو سختی سے کچلا گیا۔

امام ابوتیمم معد المعز لدین اللہ (۳۴۱-۳۶۵ھ / ۹۵۲-۹۶۹ھ)

”قیصر صقلی والی باغابہ بھی استبداد کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ اُس کے ساتھی مظفر والی طرابلس کا جو معز (امام وقت) کا معلم تھا یہی حشر ہوا (کیونکہ) اس

لہ تاریخ فاطمیین مصر، جلد اول، صفحہ ۱۴۲

لہ تاریخ فاطمیین مصر، جلد اول، صفحہ ۱۴۵

ایک دفعہ معز کو برا بھلا کہا تھا^۱
(اُستاد کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ تو جاہل بھی نہیں کرتے)

امام ابو علی الحسین الحاکم بامر اللہ^۲
(۳۸۶-۵۳۱ھ / ۹۹۶-۱۰۲۰ء)

ڈاکٹر زاہد علی تاریخ فاطمیین مصر میں لکھتے ہیں:

”جملہ تعداد وزیروں، قاضیوں، عہدہ داروں اور رئیسوں کی جن کی گردنیں ماری گئیں چھیسیس^{۲۶} ہے۔“

وزیروں کی تعداد آٹھ ہے جن میں سے بعض کی مدت وزارت چند دن ہی تھی۔ اُس کے وزیر اریں سے صرف ایک ہے جو اپنی موت سے مرا۔ گردن ماری جانے والوں میں سے قائد القوادغین اور کاتب علی بن احمد جبرائی کے واقعات عجیب و غریب ہیں جو اختصار سے پیش کئے جاتے ہیں:

”حاکم نے جبرائی کے ہاتھ کٹوا دیئے اور اُس کے بعد قائدغین کا بھی ہاتھ کٹوا دیا اس کے تین سال بعد اس کا دوسرا ہاتھ بھی کٹوا دیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب حاکم کے پاس غین کا کٹا ہوا ہاتھ ایک طبق میں بھیجا گیا تو حاکم نے غین کے مکان پر اطبار بھیجے اور کئی ہزار دینار اور کپڑے صلے میں دیئے اور تمام اہل دولت نے اس کی عیادت کی دس دن بعد اس کی زبان کاٹی گئی۔ یہ زبان بھی جب حاکم کے پاس پہنچی تو اس نے پھر غین کے پاس اطبار بھیجے۔ اس کے بعد غین کا انتقال ہو گیا۔“

ایک اور دردناک واقعہ پیش کیا جاتا ہے:

”حارہ جو درۃ یہود کا ایک محلہ تھا جس میں یہ لوگ رہتے اور گایا بجایا کرتے

۱۔ تاریخ فاطمیین مصر، جلد اول صفحہ ۱۵۱

۲۔ الحاکم سے متعلق تمام واقعات تاریخ فاطمیین مصر سے لئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر زاہد علی نے ان واقعات کو مختلف حوالوں سے پیش کیا ہے۔ سند کے خواہشمند ناظرین اصل کتاب سے رجوع کر سکتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تھے اور ایسے شعر گاتے تھے جن سے اسلام کی توہین اور مسلمانوں کی دل شکنی ہوتی تھی۔ حاکم نے اس محلہ کو گانے والوں کے ساتھ جلو ا دیا۔“ (اسلام نے تو موزی جانور لا کو بھی جلانے سے منع کیا ہے)

”حسین بن علی بن نعمان چھ سال قضا کے عہدہ پر مامور رہا (اس عہدہ پر مامور داعی الدعاة بھی ہوتا تھا) ۳۹۵ھ میں حاکم نے اسے قتل کرا کے اس کی لاش اگ میں ڈلوادی“

ان واقعات کے بعد غالب کا شعر ذہن میں ابھرتا ہے:

نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قنبلہ نما آبشیا نے میں

تاریخ کے طالب علم کے لئے ان واقعات میں کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ واقعات اُس شخص کے دورِ خلافت / امامت کے ہیں جس کو (نعوذ باللہ) خدا مانا گیا اور اُس کی وجہ سے فرقہ دروز وجود میں آیا۔

مشہور مورخ لین پول کا بیان بڑا دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”حاکم کے آخری زمانے میں اُس پر ایک نئے جنون کا دورہ پڑا۔ اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اُس کے جسم میں حلول کر گیا ہے۔ اُس نے اپنے مریدوں پر جبر کیا کہ وہ اُسے پوچھیں۔ جب اُس کا نام لیا جاتا تو اُس کے مرید راستے میں یا اُس کے محل میں جہاں کہیں بھی ہوتے سجدے کے لئے جھک جاتے تھے۔ یہ شیعہ باطنی تصوف کا انتہائی نتیجہ ہے“ (یہ تاثر مشہور مورخ لین پول کا ہے)

ان واقعات کو پیش کرنے کے بعد ہم حاکم نے جو کچھ اہل سنت اور اہل کتاب کے ساتھ کیا اس کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اس لئے کہ جس کا سلوک اپنوں

کے ساتھ یہ تھا اُس نے اغیار کے ساتھ کیا نہ کیا ہو گا۔ البتہ اس سلسلہ میں ایک بات اور لکھتے ہیں اور وہ یہ کہ المستنصر باللہ کے بعد اس کے بیٹوں (نزار اور مستعلی) میں جانشینی کے لئے بالکل اسی طرح جنگ ہوئی جس طرح عام دنیاوی حکمرانوں کی اولاد میں ہوتی آئی ہے آخر کار اس تنازعہ میں فاطمی دو فرقوں میں بٹ گئے ایک نزار کے ماننے والوں کا نزاری اور دوسرا مستعلی کے ماننے والوں کا مستعلویہ۔ بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ کچھ عرصہ بعد نزاریوں نے مستعلویہ کے امام المنصور الامر باحکام اللہ کو قتل کر دیا۔ ائمہ کی اس بے بسی کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے امام المستنصر باللہ (۲۲۷-۳۸۷ھ) کو زہر دے دیا گیا۔^۱

فاطمی خلافت کے آخری دور کے حکمران الظافر لاعدار اللہ (۵۴۳-۵۴۹ھ) کے زمانہ کے حالات کے متعلق کتاب الاعتبار کے مصنف اس طرح لکھتے ہیں:

”عباس کی بے ایمانی اور غداری، نصر کی سفاکی اور خوں خواری، اسامہ کی شرارت اور بد معاشی یہ ایسے سیاہ کارنامے ہیں جن کی سیاہی کو زمانے کی زبردست صیقل بھی نہیں مٹا سکتی“ (کتاب الاعتبار صفحہ ۱۶)

فاطمی خلفاء کی زندگی کے دیگر پہلو

قتل وغارتگری اور ائمہ کی بے بسی کے بعد فاطمی خلفاء کی پر تکلف زندگی کی کیفیات پیش کی جاتی ہیں:

شانداری محل، ائمہ مستورین میں سے امام عبداللہ بن محمد بن اسمعیل نے سلمیہ میں ایک شاندار محل بنوایا۔^۲

^۱ تاریخ فاطمیین مصر، حصہ اول، صفحہ ۲۲۰

^۲ تاریخ فاطمیین مصر، حصہ دوم، صفحہ ۴۰

^۳ تاریخ فاطمیین مصر، حصہ دوم، صفحہ ۲۹۷

قصر شرقی کبیر میں سونے کا تخت اور سونے کا محل؛ ”اس (قصر) کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس میں تقریباً چار ہزار قطعے تھے جن میں ہر قطعہ قصر یا محل کہا جاتا تھا۔ ان محلات کے مجموعے کا نام قصر کبیر تھا۔ اس میں سونے کا ایک محل تھا جسے قصر الذہب کہتے تھے۔ اس کا دروازہ بھی سونے کا تھا۔ اس میں ایک شامیانے کے نیچے سونے کا تخت تھا جس پر خلفاء جلوہ نما ہوتے تھے۔ تخت کے سونے کا وزن ایک لاکھ دس ہزار مثقال بتایا جاتا ہے۔ مستنصر کے زمانے میں اس کے سامنے ایک پردے میں ایک ہزار پانچ سو ساٹھ مختلف رنگوں کے ہیرے جڑے گئے اور تقریباً تین لاکھ مثقال خالص سونا استعمال کیا گیا۔“ (مقریزی)

”ماہ ربیع الآخر ۵۶۷ھ میں جب دولتِ فاطمیہ کے مخصوص خزانے کھولے گئے تو درہم و دینار گھڑی ہوئی اشیاء، جواہرات، پوشاک، اثاثہ، کپڑا اور طرح طرح کے ہتھیار تھے۔۔۔۔۔ اس کا حساب وہی کر سکتا ہے جو آخرت میں خلق کا حساب کرے۔“ (مقریزی)

[سبحان اللہ مقریزی کا جملہ کس قدر معنیٰ خیز ہے]

المعز لدین اللہ کی بیٹیوں کا ترکہ؛ ”معز کی بیٹی عبدہ کے ترکہ میں پانچ زمرہ کی تھیلیاں اور مختلف قسم کے قیمتی جواہرات کے علاوہ سو صندوق جن میں خالص چاندی کے کام کے تین ہزار برتن تھے۔ تیس ہزار قطعے صقلی زر دوزی اور کارچوبی کے۔۔۔۔۔ معز کی دوسری بیٹی کے مال و اسباب کی قیمت کا اندازہ ۲۷ لاکھ دینار ہے۔ اس کے علاوہ بارہ ہزار رنگ برنگ کے کپڑے کا فور قیصری سے بھرے ہوئے سو صندوق، سرپڑا لے کے جواہر دوز کئی رو مال برآمد ہوئے۔“ (مقریزی)

لہ تاریخ فاطمیین مصر، صفحات ۱۲۶-۱۳۷ بحوالہ مقریزی۔ (حصہ دوم)

لہ و سہ تاریخ فاطمیین مصر، حصہ دوم، صفحات ۱۲۶-۱۳۷

فاطمی وزرا کی دولت و ثروت: ابن میسر لکھتا ہے:

” (وزیر افضل) کے گھر میں آٹھ سو لونڈیاں اور پچاس بیویاں تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایوان مخصوص تھا جس محل میں یہ شراب پیتا تھا اُس میں آٹھ لڑکیوں کی مورتیں، چار سفید کافوری اور چار سیاہ عنبریں، ایک دوسرے کے سامنے نصب کی گئی تھیں۔ اُن کو نہایت عمدہ پوشاک پہنائی گئی تھی اور انہیں قیمتی زیوروں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اُن کے ہاتھوں میں بیش بہا جواہرات رکھے گئے تھے۔ جب وزیر افضل اپنے محل میں داخل ہوتا تو یہ مورتیں اُس کی تعظیم کے لئے سر جھکا دیتیں اور جب اپنی جگہ بیٹھتا تو پھر سیدھی کھڑی ہو جاتیں۔ جب وہ شراب پینے کے لئے بیٹھتا تو اس کے سامنے جواہرات سے بھرے ہوئے سونے کے طبق رکھے جاتے۔ پھر اُس کے حکم دینے پر ان جواہرات کو خالی کر کے اُن میں شراب بھر دی جاتی تھی۔“

ائمہ کے لئے سجدے اور صلوٰۃ

اس دولت و ثروت کے بعد ہم فاطمی خلفاء کی زندگی کا ایک اور رخ پیش کرتے ہیں۔ ”کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آگے تمام انسانوں سے اعلیٰ سمجھتے تھے اور بعض حقوقِ الہی سے نہیں بلکہ خدا کے اوصاف سے اپنے آپ کو موصوف کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ داعی ناصر خسرو علوی کے قلم سے سنئے:

”ورسم ایشان آں بود کہ ہر کجا سلطان بمردم رسیدے اور اسجدے کردندے و صلوٰۃ دادندے“

لہ و لہ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحات ۱۲۶-۱۳۷

ائمہ سے ملاقات

حکیم ناصر خسرو علوی کو جو اسماعیلیہ کا ایک نامور داعی ہے امام المستنصر باللہ سے ملاقات کے لئے مؤید شیرازی کی طرح ۱۱ سال انتظار کرنا پڑا۔

مندرجہ بالا دولت و ثروت اور عیش و کوشیوں نیز قتل و غارتگری کے واقعات ناظرین کے لئے نئے نہیں ہوں گے عباسی خلفاء کا بھی یہی حال تھا۔ اندلس کے مسلمان فرمانرواؤں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ہندوستان کے بادشاہ بھی کچھ کم نہ تھے مگر ان میں کوئی بھی مامور من اللہ ہونے یا معصوم ہونے کا مدعی نہ تھا۔

کاش! ان ائمہ معصومین کے مفقر معتقدین اُس برگزیدہ ہستی کی زندگی پر بھی غور کرتے جس کے نام نامی سے اس خلافت کو منسوب کیا گیا اور جس کی زندگی یہ تھی:

آں ادب پروردہ صبر و رضا آسیہ گرداں و لب قرآں سرا
اور

دولت و ثروت کا یہ حال تھا:

بہر محتاج دلش این گونہ سوخت بایہودے چادر خود را فروخت
اور اُس برگزیدہ ہستی کے شوہر والا گہرا میر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کو بھی دیکھ سکتے جن کے لئے کہا گیا ہے:

پادشاہ و کلبۂ احزان او یک حسام و یک زرہ سامان او
ہم اس تقابل پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ اسماعیلیہ حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کو بھی معصومین میں شمار کرتے ہیں تو معصومین کی زندگی میں یہ زمین اور آسمان کا فرق کیسا؟

لے تاریخ فاطمیین، حصہ دوم، صفحات ۱۲۶-۱۳۷

الحاصل

اس تجزیہ سے ہمارا مقصد فاطمی حکمرانوں کا محاسبہ نہیں بلکہ یہ دکھلانا مقصود ہے کہ جن افراد نے مامور من اللہ اور معصوم ہونے کا دعویٰ کیا ان کی ذاتِ گرامی سے کیسے کیسے افعال سرزد ہوئے۔ اس صورتِ حال سے متاثر ہو کر ایک عام انسان کے ذہن میں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں :

(۱) اگر ائمہ معصومین کی حکمرانی اور تعیش کی زندگی کا یہ حال ہے تو شخصی حکمرانوں (غیر معصومین) کو خواہ کوئی بھی ہوں، کسی بھی دور میں ہوں اور ان کا تعلق کسی بھی ملک و ملت سے ہو کس کسے ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے ؟

(۲) ایک معصوم حکمران اور ایک غیر معصوم حکمران میں کس بنیاد پر امتیاز کیا جائے ؟ اگر ان سوالات کا شافی جواب نہیں جو یقیناً نہیں ہے تو اہل فکر و نظر کو یہ کہنے کا حق ہے کہ :

”ایک زندگی کا نام تھا کا فور“

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا تو ذکر ہی کیا اللہ پاک کے وہ نیک بندے جو رشد و ہدایت کا فریضہ ادا کرتے ہیں وہ تو دنیا میں سراسر رحمت اور مجسمِ عفو و درگزر بن کر رہتے ہی ہیں بلکہ ایسے نیک افراد کی بھی کمی نہیں جن کو اگر اقتدار ملا ہے تو بنی نوعِ انسان نے جین کا سانس لیا ہے۔ ہر طرف محبت و شفقت کا دور دورہ رہا ہے۔ اسمعیلی حضرات میں سنجیدہ اور صاحبِ فہم افراد کی کمی نہیں یہ سوالات ان کو دعوتِ فکر دیتے ہیں اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے لئے ایک موقع فراہم کرتے ہیں۔ جن حضرات نے خود کو مامور من اللہ اور معصوم کہا اور اپنے آپ کو انبیاء کی صف میں لاکھڑا کیا وہ تو اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں ہی وہ بھی برابر

کے ذمہ دار ہیں جو فہم و فراست رکھنے اور فاطمی دعوت کی ناکامی کے باوجود بالخصوص زمانہ جدید کی سیاسی فکر و نظر کی روشنی میں مامور من اللہ اور عصمت ائمہ کے نظریہ کے قائل ہیں۔

ائمہ معصومین سے متعلق دلچسپ روایات

حضرت اسماعیل بن حضرت جعفر الصادقؑ

حضرت اسماعیل وہ ہیں جن کی امامت سے متعلق اختلاف پر شیعہ دو حصوں (اسمعیلیہ و موسویہ) میں تقسیم ہوئے۔ آج تک ان کی موت یا حیات بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے:

① ایک روایت ہے کہ ان کا انتقال ۱۳۳ھ میں ہوا اور اس وجہ سے حضرت امام جعفر الصادق کو ان پر کی ہوئی نص بدلنا پڑی۔

② ایک روایت ہے کہ وہ ۱۳۳ھ میں موت سے ہمکنار نہیں ہوئے بلکہ ۱۵۸ھ تک بقید حیات رہے۔

③ ایک روایت ہے کہ وہ شراب پیتے تھے اس لئے ان کے والد بزرگوار نے ان پر کی ہوئی نص بدل دی۔

④ ایک روایت ہے کہ وہ بڑے نیک اطوار تھے اور امام معصوم کا بیٹا شراب خور نہیں ہو سکتا۔

⑤ ایک روایت ہے کہ ان کی موت کے ثبوت میں ان کے والد بزرگوار میت کا منہ کھول کھول کر دکھلاتے تھے۔ (حیرت ہے کہ پھر بھی کسی کو یقین نہیں آیا)

⑥ ایک روایت ہے کہ ان کو عباسیوں کے ظلم و ستم کے خوف سے ان کے والد

بزرگوار نے شام بھیج دیا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ جس کے نام پر ایک علیحدہ فرقہ وجود میں آیا اس کی حیات و ممات ہی ایک ہزار سال سے موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔

اسمعیلی ائمہ مستورین تاریکی میں (۱۳۳ تا ۲۹۷ھ) (۷۵۱ - ۹۰۹ء)

حضرت اسمعیل بن امام جعفر الصادقؑ کی وفات سے عبید اللہ المہدی کے ظہور تک کی مدت ۱۶۴ سال ہے اس درمیان میں امامت سے متعلق جو باپ کے بعد بیٹے کو منتقل ہوتی ہے اتنی غیر یقینی کیفیت ہے کہ تاریخ میں اس دور میں ائمہ کے ۹ سلسلہ ہیں۔ عبید اللہ المہدی جو پہلا فاطمی خلیفہ / امام ہے اس کا نسب اس حد تک مشتبہ ہے کہ اس سے متعلق مورخین بلکہ خود اسمعیلیہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ ڈاکٹر زاہد علی نے جو خود داؤدی بوہرے تھے اس موضوع پر طویل بحث کی ہے اور آخر میں لکھتے ہیں :

”بحث نسب کا خلاصہ : بحث نسب کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن اسمعیل بن جعفر الصادقؑ اور عبداللہ بن میمون القداح دونوں کا وجود تاریخ سے ثابت ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ ثبوت طلب امر حسب شجرۃ ذیل صرف اتنا ہے کہ دولت فاطمیہ کا پہلا امام مہدی محمد بن اسمعیل کی نسل سے ہے نہ کہ عبداللہ بن میمون القداح کی نسل سے جو دعوت اسمعیلیہ کا صدر تھا“

عبید اللہ المہدی جو پہلا فاطمی خلیفہ ہوا اس کے متعلق اور بھی بہت کچھ لکھنے کے لئے ہے لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا نام عبداللہ تھا اس نے

لے یہ صورت حال امامیہ (اسمعیلیہ) ہی میں نہیں امامیہ (اثنا عشری) میں بھی اس سے کم نہیں دیکھتے
مسلماء و منہجہ اسلام مقالہ اثنا عشریہ۔
لے تاریخ فاطمیین مصر حصہ اول صفحہ ۸۷۔

تقیہ کر کے اپنا نام عبید اللہ رکھا۔ اور یہ راز ہی رہا حتیٰ کہ یہ خلافت ”خلافت عبیدہ“ کہلاتی اور اس خاندان والوں کو عبیدیوں کہا گیا۔ اس قسم کی باتیں تو دنیاوی غیر معصوم حکمرانوں کو بھی زیب نہیں دیتیں لیکن جو شخص دین حق کا داعی ہو اس کے شایان شان کیسے ہو سکتی ہیں اور اُس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اُس کے پیر و جن بنیادوں پر اُس کو مامور من اللہ اور معصوم سمجھ رہے ہیں وہ ہی ابھی تک زیر بحث ہیں۔

اسی نوعیت کی متضاد باتیں امام المستنصر باللہ کے بیٹے نزار (جس کو امام ماننے والے نزاری کہلائے) کے متعلق مورخین نے لکھی ہیں۔ مستعلویہ کو تو اس سے ہی انکار ہے کہ المستنصر باللہ کے بیٹے نزار کا کوئی بیٹا زندہ بھی باقی بچا تھا۔ امام نزار پر امام المستنصر کی نص سے متعلق ایک سخن گسترانہ بات ذہن میں آگئی جسے پیش کیا جاتا ہے:

اے۔ اے۔ فیضی صاحب ہمارے ملک کی ایک نامور شخصیت تھے وہ اسماعیلیہ (نزاری) تھے۔ انہوں نے امام نزار پر امام المستنصر کی نص سے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا۔ اس میں ایک نکتہ یہ بھی پیش کیا گیا کہ امام المستنصر باللہ کا اپنے دوسرے بیٹے احمد مستعلی پر اپنی عمر کے آخری حصہ میں نص کرنا سمجھ میں نہیں آتا جب کہ اُن کا دور امامت ۶۰ سال رہا۔ آخر امام موصوف نے اس سے قبل ایسا کیوں نہیں کیا۔ خیر یہ جھگڑا تو نزاریوں اور مستعلویوں کا ہے ہم تو نزاری حضرات سے صرف اتنا عرض کریں گے کہ اگر اسی دلیل کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امیر المومنین حضرت علیؓ کی نامزدگی پر غور کر لیا جائے تو اگر تمام امامیہ برادری کے نہیں تو کم از کم اہل سنت اور نزاریوں کے درمیان اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔

لے تاریخ ائمہ اسماعیلیہ صفحہ ۲۶-۲۷ حصہ سوئم۔

مستعلویہ کے آخری امام طیب کے متعلق روایات

- ① ابن خلدون کے بیان کے مطابق ”امام آمر کے انتقال کے بعد اُس کے جانشین الحافظ لدین اللہ نے یہ ظاہر کیا کہ آمر نے یہ وصیت کی ہے کہ میری فلاں زوجہ سے حمل ہے میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ اُس کے بیٹا ہوگا وہ میرا خلیفہ ہوگا“
- ② ابن الاثیر کا قول ہے کہ ”آمر جب قتل کیا گیا تو اس وقت اس کا کوئی بیٹا موجود نہ تھا جو اس کا قائم مقام بن سکے۔۔۔۔۔ لوگوں کو حمل کا نتیجہ معلوم کرنے کا انتظار تھا کہ اگر بیٹا ہو تو وہ اس کا امام ہو“

[لیکن اس حمل سے آمر کے یہاں لڑکی ہوئی]

- ③ مقریزی کے مطابق آمر کے قتل کے بعد اُس کا بیٹا گوشت اور ترکاری کی زنجیل کے نیچے کے حصے میں خفیہ طور پر قصر سے مسجد الرحمة میں منتقل کر دیا گیا جہاں اُس کی پرورش خفیہ طریقہ سے ہوئی اور جب حافظ لدین اللہ کو اس راز کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اُس کی فصد کھلوا دی جس سے وہ مر گیا۔
- ④ داعی اور یس کی روایت ہے کہ ”آمر نے اپنے ایک لڑکے طیب نامی پر نص کی اور اُس کا اعلان کیا۔ آگے چل کر ناموافق حالات میں ابوعلی داعی بلاغ کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے غائب ہو گیا۔“

یہ ہیں اُس مامور من اللہ، امام معصوم سے متعلق روایات جس کو مستعلویہ امام غائب کہتے ہیں اور جس سے دور ستر کی ابتدا ہوتی ہے۔ اُن کا ایمان ہے کہ آمر کے اس بیٹے طیب کی نسل سے یکے بعد دیگرے امام ہوتے رہیں گے چاہے اس کا

لے تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۲۸

علم کسی کو ہویا نہ ہو۔ اس صورتِ حال کے باوجود امام طیب کے نام پر فاطمی دعوے کا سلسلہ داعیوں کے ذریعہ برپا رہا ہے۔

یہ باب ہماری توقع کے خلاف کافی طویل ہو گیا۔ لیکن کچھ اور واقعات ایسے ہیں کہ ان کی نوعیت مجبور کر رہی ہے کہ ان کو بھی بیان کیا جائے:

ائمہ معصومین سے متعلق مزید دلچسپ حالات

① متعدد امام ایسے ہیں جن کو سنِ بلوغت سے پہلے امام تسلیم کیا گیا۔

② کم از کم دو امام ایسے ہیں جن کی امامت کا اعلان اس وقت کیا گیا جب وہ شکم

مادر میں تھے۔
www.KitaboSunnat.com

③ متعدد ائمہ کی وفات کو پوشیدہ رکھا گیا۔

(ا) عبید اللہ المہدی کو اس کے داعی ابو عبد اللہ شیعہ نے دعوت کی کامیابی سے قبل دیکھا تک نہ تھا۔

(ب) ابو طاهر اسمعیل المنصور باللہ کی انتقال کی خبر حسب روایت داعی ادریس (ابن خلکان) تقریباً ڈھائی مہینہ چھپائی گئی۔

(ج) المعز لدین اللہ کے انتقال کی خبر آٹھ مہینے تک چھپائی گئی۔

(د) الحاکم بامر اللہ کے انتقال / قتل / غیبت کی خبروں کو تین ماہ تک راز میں رکھا گیا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر زاہد علی کا بیان معنی خیز ہے وہ لکھتے ہیں:

”حکومت فاطمیہ (ائمہ معصومین کی حکومت) کا یہ دستور تھا کہ امام کے انتقال

فوت، اسمعیلی دعوے کے ابتدائی دور کے مصر میں ان کے خلفاء کے حالات سے متعلق روایات میں اس قدر احتیاط اور تضاد ہو کہ ہم اس سے متعلق بہت سی باتیں اس مختصر کتاب میں شامل نہیں کر سکے۔ ہم خود مشورہ دیتے ہیں کہ تاریخ فاطمینہ مصر و ڈاکٹر زاہد علی کا جو خود اسمعیلی تھے بغور مطالعہ کیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کو پڑھنے والے بلا شک و شبہ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جس پر ہم پہنچے ہیں۔

کا اعلان اس وقت تک نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ اس کے ولی عہد کی بیعت تکمیل کو نہ پہنچے۔ اسی وجہ سے مورخین نے لکھا ہے کہ ان کا تخت خوف پر مبنی تھا۔“

ائمہ معصومین کے تخت کا خوف پر مبنی ہونا حیرت انگیز ہے۔ اس کے علاوہ یہ اصول کہ ولی عہد کی بیعت کی تکمیل تک امام کی موت ہی کو چھپایا جائے چاہے اس میں کتنا ہی وقت لگ جائے اور بھی حیرت انگیز ہے۔ ہم تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ کاش امامیہ حضرات (اسمعیلیہ) اپنے اس اصول کی روشنی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تدفین سے متعلق واقعات پر غور کر سکتے تو بھت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتیں۔ توفیق خداوندی سے یہ اب بھی ہو سکتا ہے۔

معذرت

ہم نے اس باب میں حتی المقدور اختصار سے کام لیتے ہوئے فاطمی ائمہ معصومین کا سیاسی کردار پیش کیا ہے اور ان سے متعلق روایات کا اختلاف بتلایا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے جن بندوں کو عصمت سے سرفراز فرمایا ان کے روز و شب کے معمولات، ان کا دوستوں سے برتاؤ، ان کا دشمنوں سے سلوک تاریخ عالم کے صفحات پر انمٹ حروف میں ثبت ہے۔ انہوں نے زندگی کا ایسا معیار قائم کیا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کی عصمت کی گواہی دے رہا ہے۔ جب ہم اس معیار کی روشنی میں فاطمی ائمہ معصومین کا سیاسی کردار دیکھتے ہیں تو عصمت تو بہت عظیم چیز ہے وہ ایک عام دنیاوی حکمران کی سطح سے بھی نیچے نظر آتے ہیں۔

یہ صبح ہے کہ چشمِ فلک نے وہ دور بھی دیکھا ہے جب انسان خود بت بنا کر

پوچھا کرتا تھا۔ مگر ایک وقت آیا جب کہہ دیا گیا:

جَاءَ الْحَقُّ وَذَهَقَ الْبَاطِلُ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا

حق آیا اور باطل گیا گدرا ہوا۔ (اور)

واقعی باطل چیز تو یونہی آتی جاتی رہتی

ہے۔

(بنی اسرائیل - ۸۱)

یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فکر و نظر کے لئے تاریک راہیں مسدود کر دی گئیں

اب بھی اگر کسی کو روشنی نظر نہیں آتی تو:

چشمہ آفتاب راجہ گناہ

اس انسانی فطرت کو کیا کہتے کہ اُس نے خالق کائنات کے مبعوث کئے ہوئے

انبیاء کی توفان فرمائی کی لیکن اُس کی جبین ساتھی کے ذوق و شوق نے خود اپنی مرضی کے

معبود بنالئے۔ اور جس کو چاہا مامور من اللہ کہہ دیا اور معصوم قرار دے دیا نہ نسب

کی پرواہ نہ حسب کا خیال۔ نہ کردار پر نظر نہ افکار کی فکر۔



باہشتم

عیبِ جملہ گفتی ہنرش نیز بگو

انصاف کا تقاضا ہے کہ خامیوں کے ساتھ ساتھ خوبیاں بھی بیان کی جائیں لہذا ہم اسمعیلیوں کے اس پہلو پر بھی نظر ڈالنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اسمعیلیوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور فاطمی دورِ خلافت میں علم و حکمت کی ترقی کو خامیوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ فاطمی دورِ حکومت میں معروف ریاضی داں، سائنس داں اور طبیب ہوئے اور ان کی ہمت افزائی کی گئی لیکن یہ فیصلہ بڑا مشکل ہے کہ اس کا خصوصی تعلق فاطمی دعوت سے تھا۔ اسلام نے تو بنیادی طور پر حصولِ علم پر انتہائی زور دیا ہے۔ یہ بات کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ عباسی دورِ خلافت میں اور اندلس میں علم و حکمت کی ترقی ہوئی۔ اس سلسلہ میں ایک دوسرا مکتبہ فکر بھی ہے وہ کہتا ہے کہ اس نوعیت کے کام امن و سکون کے دور میں ہوا کرتے ہیں۔ یونان میں علم و حکمت کی ترقی کے دور کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ ارسطو کو معلمِ اول کہا جاتا ہے اُس کا تسلط اب تک قائم ہے۔ اُس کا تعلق کس مذہب سے تھا؟ اُس وقت تو وہاں عیسائیت بھی نہ تھی یہی صورت ہندوستان کی ہے اور آج کل جاپان، چین، روس اور مغربی ممالک کی ہے جہاں اگر مذہب ہے تو اُس کو ناقوی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ تو یہی

بتا رہا ہے کہ عموماً امن کے دور میں تہذیب و تمدن نے ترقی کی۔ مختصراً اگر یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ اگر فاطمی دور حکومت میں علم و حکمت کی ترقی نہ ہوتی تو حیرت کی بات تھی۔

اس تمہید کے بعد ہم فاطمی دورِ خلافت کے چند اہم کارناموں اور ان کی خدمات کا ذکر کریں گے۔

جامع ازہر

فاطمی خلیفہ المعز لدین اللہ کے عہد میں جوہر نے قاہرہ کی تعمیر کے بعد ایک مسجد بنائی جس کا نام جامع ازہر رکھا۔ اُس کو جامع کبیر بھی کہا جاتا تھا۔ المعز لدین اللہ کے جانشین عزیز کے حکم سے جوہر نے اس میں ایک نفیس کتب خانہ اور مدرسہ بھی کھولا جس کی شہرت آفاق میں پھیلی بڑی غرض اُس کے قائم کرنے سے یہ تھی کہ اُس میں دینی خصوصاً مذہب شیعہ کی تعلیم دی جائے۔ گویا یہ کہہ سکتے ہیں کہ قاہرہ کی تعمیر دولت فاطمیہ کی سیاسی بنیاد کو مضبوط کرنے اور جامع ازہر کی تعمیر اس کی مذہبی بنیاد کو پختہ کرنے کے لئے عمل میں آئی۔ جامع ازہر تقریباً دو سو سال تک شیعہ مدرسہ رہا لیکن اُس مقصد میں ناکام رہا جس کے لئے قائم کیا گیا تھا کیونکہ مصر میں اسماعیلیت کو فروغ نہ ہو سکا بلکہ شیعوں ہی کی تعداد آٹے میں نمک سے زیادہ نہ ہو سکی۔ ظاہر ہے کہ اس مدرسہ کی شاندار عمارات کے باوجود طلباء کی تعداد محدود رہی ہوگی۔ دراصل ’ازہر‘ کا اصلی دور صلاح الدین ایوبی کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ صلاح الدین نے اقتدار کے حصول کے بعد چاروں مذاہب اہل سنت کی تعلیم جاری کر دی تاکہ ہر مذہب کے پیرو اس میں تعلیم حاصل کریں (اسماعیلی تو اس وقت تک مصر سے قریب قریب ختم ہو چکے تھے) اس سبب سے اس مدرسہ کی بڑی شہرت ہوئی جس میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا گیا۔ ظاہر ہے کہ فاطمی دورِ خلافت میں اس مدرسہ کا فیض

اسمعیلیہ بازیاہ سے زیادہ شیعوں تک محدود رہا ہوگا۔

دارالحکمت

۳۹۵ھ میں الحاکم نے قصر غربی کے قریب ایک دارالحکمت قائم کیا۔ اس کی اصل غرض وغایت شیعہ علوم کی اشاعت تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس میں قاری، نحوی، ادیب، منجم اور طبیب بھی مقرر کئے گئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اہل سنت کی تعلیم موقوف کر دی گئی۔ اور کئی اساتذہ جن میں فقیہ ابو بکر الانطاکی وغیرہ شامل تھے قتل کر دیئے گئے تقریباً دس سال بعد اس مدرسے کے دینی شعبہ کی حالت بھی خراب ہو گئی۔ جیسا کہ داعی احمد حمید الدین الکرمانی کے قول سے واضح ہے کہ جب میں ہجرت کر کے حضرت بنویہ و علویہ میں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ رسوم دعوت میں خلل پڑ گیا ہے۔ مجالس الحکمت کی پابندی چھوٹ گئی ہے۔ ”اعلیٰ اسفل اور اسفل اعلیٰ“ ہو گئے ہیں۔ اولیائے دعوت ہادیہ ایسی ہولناک پریشانیوں میں مبتلا ہیں کہ ان کے سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو فاسق کہتا ہے۔ بعض غلو کی چوٹی پر پہنچ گئے ہیں۔ بعض اس قدر رستی میں گر پڑے ہیں کہ ان کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ گیا ہے۔“ آخر کو اس کو وزیر افضل نے ۵۱۷ھ/۱۱۲۳ء میں الحاکم بامر اللہ کے عہد میں مذہبی جھگڑوں کے خوف سے بند کر دیا۔ خوف کی بنیاد ظاہر ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مصر میں اسمعیلیت فروغ نہ پاسکی لہذا شیعیانِ علیم کو عوام کیسے قبول کرتے۔ اس مدرسہ کو کچھ عرصہ بعد دوسری جگہ جاری کیا گیا۔

رسائل اخوان الصفا

یہ وہ رسائل ہیں جن کے فلسفہ پر بہت سے حضرات سر دھنتے ہیں۔ ان رسائل سے متعلق ڈاکٹر زاہد علی نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ ان کی تعداد باون ہے اور ان ۵۲

اخوان الصفا کی حقیقت خود ان کی زبان سے :

ڈاکٹر زاہد علی نے اخوان الصفا کے رسائل سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے۔ اسی طرح دیگر کتابوں میں بھی اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے مگر سب کا سچوڑیہ ہے جو

”اس خط پر دستخطوں سے شبہ گذرتا ہے کہ اس کے پس منظر میں ایک معروف شخصیت ہے۔ اگر وہ صاحب اپنا نام ظاہر کر دیتے تو شاید اس سے اعتراضات کا وزن بڑھ جاتا“ (فان ہمسر صفحہ ۲۹۹)

بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اخوان الصفا کے رسائل مرتب کرنے والوں کے دل و دماغ پر جملہ قدیم فلسفوں کا غلبہ تھا اور ان کا مقصد اسلام میں ان فلسفوں کو کسی طرح داخل کرنا تھا۔ (جس میں وہ الحمد للہ کامیاب نہ ہو سکے)

اب ہم اخوان الصفا سے متعلق ابو حیان توحیدی کے جواب سے اقتباس پیش کرتے ہیں جو اس نے $\frac{۳۷۳}{۶۹۸۳}$ میں عباسیوں کے وزیر صمصام الدولہ بن عضد الدولہ کے سوال پر دیا تھا:

”میں نے یہ رسالے دیکھے۔ ان میں ہر فن کے مسائل بیان کئے گئے۔ لیکن اس قدر اختصار سے کہ پڑھنے والے کو تشفی نہیں ہوتی۔ ان میں خرافات۔ کنایات اور تلفیقات ہیں۔ میں نے متعدد رسالے اپنے شیخ ابوسلیمان محمد بن بہرام المنطقی السجستانی کو دکھلائے۔ شیخ نے بڑی مدت تک ان کا مطالعہ کیا اور کہا کہ ان لوگوں نے بہت مشقت کی مگر کوئی بات پیدا نہ کر سکے۔ بڑی تکلیف اٹھائی مگر کچھ نتیجہ نہ نکال سکے پانی کی تلاش میں بہت گھومے مگر چشمے پر پہنچ نہ سکے۔ بہت کچھ راگ الاپے مگر طرب نہ پیدا کر سکے۔ ناممکنات کو وجود میں لانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔“ (مقدمہ احمد زکی پاشا)

فلسفہ کی حیثیت کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو لیکن مذہب کے ساتھ فلسفہ نے مل کر جو اثرات پیدا کئے وہ کیفیت اسمعیلیوں کے اعتقادات سے ظاہر ہے یعنی آگے چل کر ان کے بیشتر حصہ نے اعمال ظاہری سے فراغت حاصل کر لی اور ایک عام انسان کو معصوم قرار دے کر سیدھے سادے دین کو فلسفیانہ موثر گافیوں کا گورکھ دھندلانا کر رکھ دیا۔ اُس کو دین و مذہب سمجھنا ہی دین و مذہب کے صحیح تصور سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ علامہ اقبال جنہوں نے قدیم و جدید جملہ فلسفوں کا مطالعہ کیا تھا او

لہ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۲۲۹

۴۰ اسی نے بعض مصنفین نے اسمعیلیت کو مذہب نہیں کہا، تحریک کہا۔

خود فلسفہ میں ڈاکٹر تھے۔ کہتے ہیں:

انجام خرد ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری

جن حضرات نے دین کو کلیۃً عقل کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی انہوں نے ہمیشہ

ٹھوکر کھائی۔ انوان الصفا کے فلسفہ کے پرستار حضرت امام غزالیؒ پر تنقید کرتے ہیں

لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ غزالیؒ کا آفتاب الحمد للہ چمک رہا ہے اور اخوان الصفا

کے مرتبہ رنے والوں کے چراغِ ذرا دیر کے بعد بھڑک کر کبھی کے بجھ چکے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

اشاعت اسلام میں اسمعیلیوں کا حصہ (ہندوستان میں)

اسمعیلیہ سے متعلق بعض مصنفین نے ہندوستان میں نزاری داعیوں کی

تبلیغی کوششوں کو نظرِ استحسان سے دیکھا ہے۔ اگرچہ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان

داعیوں نے ہنود کے عقائد سے مفاہمت کر کے اُن کو اسلام کی طرف راغب کیا اور

اس طرح یہ لوگ اُن کو آدھے راستہ تک لانے میں کامیاب ہو گئے جبکہ باقی کام دوسرے

بزرگوں نے کیا۔ اس سلسلہ میں پیر شمس الدین سبزواری ۶۲۲-۷۵۷ھ اور پیر

صدر الدین ۷۸۹-۸۰۰ھ کے نام خاص طور پر لیتے جاتے ہیں۔ ایک اور نام نور

گرو، کا آتا ہے جن کا اصلی نام غالباً نور الدین یا نور شاہ تھا جنہیں بارھویں صدی

میں قلعہ الموت سے بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے ایک ہندو راجے کی بیٹی سے شادی کی

اور اپنا نام ہندوانہ رکھا۔ پیر شمس الدین سبزواری کا حلقہ اثر ملتان میں رہا۔ پیر

صدر الدین نے نزاری فرقہ کے طریقِ تبلیغ کے مطابق اپنا نام ہندوؤں کا سا رکھا اور

لہ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے اُکسلنے پر سلطانہ رضیہ کے عہد میں دہلی پر قرامطہ و ملاحہ کا حملہ ہوا۔

دیکھئے باب 'خوجے' آب کوثر ۲۳۳-۳۵۶

لہ شیخ محمد اکرام نے آب کوثر میں لکھا ہے کہ پنجاب میں ایک جماعت جو ظاہر ہندوؤں میں شامل ہے

اور موجودہ امام آغا خان کو دیوتا تسلیم کرتی ہے اپنے آپ کو شاہ شمس کے نام پر شمس کہتی ہے۔

صفحہ ۳۴۳-۳۴۴

ہندو مذہب کے بعض عقائد کو صحیح تسلیم کیا تاکہ اسمعیلیہ مذہب کی اشاعت میں آسانی ہو۔ انہوں نے ایک کتاب دس اوتار کے نام سے لکھی جس میں رسول اکرمؐ کو برہما، حضرت علیؑ کو وشنو، اور حضرت آدمؑ کو 'شو' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ کتاب خوجہ قوم کی مقدس کتاب ہے اور مذہبی تقریبوں اور نذر کے وقت مریض کے بستر کے قریب پڑھی جاتی ہے۔ پیر صد الدین کو 'بارگر'، سودیو، ہر شچندر، کے القاب سے بھی پکارا جاتا تھا۔ انہوں نے بہت سے گنان (روحانی علم) لکھے۔ ہندو انی عقائد کو تسلیم کر کے اسلام کی تبلیغ کے جو اثرات ہوئے وہ نزاری سلسلہ کے ایک اور داعی سید امام الدین (متوفی ۹۱۸ھ / ۱۵۱۲ء) کے عقیدہ مندوں کی کیفیات سے ظاہر ہیں:

”نزاری سلسلہ کے ایک اور مبلغ سید امام الدین تھے۔۔۔۔۔ انہوں نے عام اسمعیلی طریقہ تبلیغ کی پیروی میں مقامی باشندوں کی کئی باتیں قبول کر لیں ہیں لیکن ان کا امام شاہی یا ست پنٹھی طریقہ اسمعیلی خوجوں کی نسبت کبیر پنٹھی اور نانک پنٹھی طریقوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔۔۔ ان میں ابھی ہندوانہ رسمیں موجود ہیں اس جماعت کا نظام سید امام الدین کے ایک جانشین کے ہاتھ میں ہے جسے 'کاکا' کہتے ہیں اور جو تجربہ کی زندگی بسر کرتا ہے۔ عرصے سے 'کاکا' کوئی ہندو ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اس طریقہ کے لوگ جو بظاہر ہندو رہتے ہیں انہیں گپتی (پوشیدہ) کہتے ہیں اور جو ظاہر طور پر بھی مسلمان ہوتے ہیں انہیں مومنہ کا لقب دیا جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں تبلیغ کا جو انداز مندرجہ بالا داعیوں کے رویہ سے نظر آتا ہے وہ تفتیہ اور کتمان کے تحت ہی اختیار کیا جاسکتا تھا۔ اُس کے مہلک اثرات نمایاں ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسی مفاہمت کا نتیجہ ہے جو آج دین کا

۱۔ آب کوثر، صفحہ ۳۴۴ - ۳۴۶
 نوٹ: ان داعیوں کا تفصیلی ذکر تاریخ ائمہ اسمعیلیہ جلد سوم میں موجود ہے۔
 ۲۔ آب کوثر ۳۵۰

چشمہ صافی مشرکانہ اور ہندوانہ رسومات سے آلودہ ہے اور بعض کج فہم تو ان رسومات کو اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں۔

دین کے کسی بنیادی حتیٰ کہ فروعی عقیدہ تک میں کسی دوسرے مذہب سے مفاہمت تو بڑی چیز ہے ہمارے اکابر نے تو معمولی سی بات میں بھی شدید ترین حالات میں بھی مفاہمت نہیں کی۔ اس نوعیت کے ہزاروں واقعات ہیں۔ ہم زمانہ حال کے ایک بزرگ کا ایک واقعہ پیش کرتے ہیں:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے مرتبہ تعلیم الاسلام میں ایک سوال اور جواب اس طرح سے ہیں:

”سوال۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے سوا اور چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جیسے ہندو جو بتوں کو پوجتے ہیں انہیں کیا کہتے ہیں؟

جواب۔ ایسے لوگوں کو کافر اور مشرک کہتے ہیں۔“

بھارت میں ۱۹۴۷ء میں ہندو راج قائم ہونے کے بعد یہ تجویز پیش کی گئی کہ سوال میں سے نشان زدہ عبارت نکال دی جائے کیونکہ مصلحتِ وقت کا تقاضا یہی ہے۔ نیز اس سے سوال کی نوعیت اثر انداز نہیں ہوتی۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت شدید علیل تھے مگر آپ نے فرمایا: ”یہ ایسا ہی رہے گا۔“ بھارت میں تعلیم الاسلام میں یہ اسی طرح چھپ رہا ہے۔ یہ ہے وہ استقامت جس کے ستون پر دین قائم ہے۔ (اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے)

بہر حال اسمعیلی داعیوں کے اس تبلیغی انداز سے اتفاق کرنے والے شاید متذکرہ بالا تجویز سے بھی اتفاق کرتے لیکن ایک صحیح فکر مسلمان تو اس کو مہنگا سودا ہی تصور کرے گا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ آج کی فروعاً پر مفاہمت کل کو اصول پر مفاہمت کے لئے راستہ ہموار کرتی ہے۔

بانہبسم

سن تو ہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!

مشہور شیعہ مورخ امیر علی لکھتے ہیں:

”اور علماء اور حکماء ان مسلمان فراعنہ کی حکومت کو پُر رونق بنانے کے لئے ایشیا اور اُنڈلس سے بلائے جاتے تھے“

امیر علی نے انگریزی زبان میں فاطمی خلفاء کے لئے *Muslim Pharaohs* کے الفاظ استعمال کئے ہیں: ’فرعون‘ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ فاطمی خلفاء نے اپنے آپ کو خدائی صفات سے متصف کر لیا تھا۔ جس کا ذکر باب ہفتم میں کیا گیا ہے۔

ڈچ عالم ڈی غویہ کہتا ہے: (de Goeje)

”عرب اور اسلام سے بڑی نفرت ہی وہ سبب تھا جس نے تیسری صدی کے نصف میں ایک شخص عبد اللہ بن میمون نامی کو جو پیشے کی حیثیت سے قداح (معالج چشم) اور نسل کے اعتبار سے ایرانی تھا ایسی تجویز سمجھائی جو بڑی دلیری اور چالاکی سے سوچی گئی اور غیر معمولی یقین اور قوت سے عمل میں لائی گئی“

۱۶ تاریخ عرب صفحہ ۶۱۲ *A Short History of Saracens*
(تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۲۸۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسے ذریعے فراہم کئے گئے جو بجا بل پر شیطانی کہے جاسکتے ہیں۔ انسانی کمزوری کے ہر پہلو پر حملہ کیا گیا۔ ایمان لانے والوں کو جان نثاری سکھلائی گئی۔ بے پروا اشخاص کو صرف رخصت ہی نہیں بلکہ آزادی کی تعلیم دی گئی۔ عقلمندوں کو فلسفہ بتایا گیا، متعصبوں کو آخرت کی امیدیں دلائی گئیں اور عام لوگوں کو معجزے دکھائے گئے۔ اسی طرح یہود کے سامنے ایک مسیح، نصاریٰ کے روبرو ایک فارقلیط، مسلمانوں کے لئے ایک مہدی اور ایرانی اور شامی مشرکوں کے لئے ایک فلسفیانہ مذہبی نظام پیش کیا گیا۔ یہ نظام ایک ایسے خاموش استقلال کے ساتھ پیش کیا گیا جو ہمارے لئے حیرت انگیز ہے اور اگر ہم اس کے مقصد کو بھول سکیں تو ہماری تحسین کا مستحق ہے۔“

اسٹینڈلین پول کہتا ہے:

”فاطمی حکومت کے دو صدیوں تک برقرار رہنے کا سبب نہ تو حکمرانوں کی قابلیت تھی اور نہ محکوموں کا اخلاص۔“

امیر علی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”اسمعیلیوں سے صلیبیوں نے یورپ میں مذہبی وغیرہ مذہبی خفیہ انجمنوں کے قیام کے لئے رہنمائی حاصل کی“ یہی نہیں بلکہ بہت سی خفیہ انجمنوں کے نام لینے کے بعد کہتے ہیں:

لہ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۲۸۳ - ۲۸۵

لہ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۲۸۶

”ان سب انجمنوں کے ابتدائی خطوط قاہرہ یا الموت سے جاتے ہیں“

ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں:

”یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہدی اور اس کے بعد کے چند اماموں نے اسمعیلیت کو فروغ دینے کی کوشش تو بہت کی لیکن اس میں ناکام ہونے کے بعد دوبارہ اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی صرف سیاسی قوت پر قانع رہے۔“
 ”بربر اور مصری شیعہ حکومت سے راضی تو تھے لیکن خود شیعہ بننا نہیں چاہتے تھے۔“

”ان واقعات کے لحاظ سے کوئی تعجب نہیں کہ مصر میں اسمعیلیت کبھی عام طور پر نہ پھیلی ہو صرف چند ہی افراد اپنے مذہب سے پوری طرح واقف ہوئے۔“

VATIKIOTIS اپنی کتاب کو ختم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”آخر میں ہم اپنے ناظرین پر یہ تاثر چھوڑنا نہیں چاہتے کہ فاطمی اسمعیلیت ایک ایسے فرقہ کی حیثیت سے ابھری جس کے ٹھوس مذہبی عقائد تھے۔ بلکہ ہم اس رائے سے اتفاق کرنے کو تیار ہیں کہ فاطمیوں کا جو بھی عقیدہ تھا وہ بعد میں وضع کیا گیا تھا اور وہ ہر صورت میں علویوں کی سیاسی مقاصد کے تحت تھا۔ ہم اس الزام کو بھی مسترد نہیں کرتے کہ سیاسی تنخواہ دار اس تحریک میں ستم رسیدہ علویوں کی ہمدردی میں شامل نہیں ہوئے بلکہ ان کی شمولیت میں ان کے اپنے مقاصد تھے۔“

۱۔ The Spirit of Islam صفحہ ۳۲۲

۲۔ تاریخ فاطمیتیں مصر حصہ دوم صفحات ۳۰۱، ۳۰۲

۳۔ The Fatimid Theory of State صفحہ ۱۷۸

VATIKIOTIS نے اس سے پہلے باب میں کہا ہے:

”فاطمی اسماعیلیت چونکہ (مہدی کے ظہور پر) خوشگوار اور پرسکون مستقبل کا وعدہ پورا نہ کر سکی لہذا وہ ایک الہامی تحریک کی حیثیت سے ناکام ہو گئی۔“

اہل امریکہ کے جدید ترین تاثرات:

روزنامہ جنگ کے نامہ نگار نیر زیدی اپنے ہفتہ واری کالم میں ”امریکہ میں اسلامی تاریخ اور فنون لطیفہ کی تشہیر“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”کیونکہ امریکی ذرائع ابلاغ تو صرف یہی باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام صرف دہشت گرد پیدا کرتا ہے“

اہل علم جانتے ہیں کہ اس تاثر کی بنیاد وہی ہے جس کا ذکر امیر علی نے اوپر کیا ہے۔ یہ وہ عظیم خدمت ہے جو اسماعیلیہ نے اسلام کی کی جس پر ان کو ناز ہے:

”چہ خوش بودے کہ مادر نہ نرا دے مرا“



نوٹ: خصوصی امور سے متعلق مغربی محققین و دیگر مصنفین کے تاثرات متعلقہ ابواب میں دیئے گئے ہیں۔

The Fatimid Theory of State - ۱۹۷۱ء

۱۷ روزنامہ جنگ مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۵ء صفحہ ۳

باب دہم

فاطمیوں کی سعی للہاصل

اسمعیلیہ دعوت کے بارہ سو سال

(۱) فاطمی دعوت کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے آخر میں ہوئی۔ قریباً ۱۱ سو سال کی خفیہ جدوجہد کے بعد اُن کو شمالی افریقہ میں ۲۹۷ھ میں اقتدار ملا۔ پھر مغرب ادنیٰ پر اُن کا قبضہ ہوا اور ۳۵۸ھ میں مصر بھی اُن کی قلمرو میں آگیا اور اس کے بعد محدود مدت کے لئے بلاد شام و عرب و یمن پر بھی اُن کی حکومت رہی لیکن یہ اقتدار بہت ہی جلد زوال پذیر ہوا۔ اُن کے مقبوضات آزاد ہوتے گئے حتیٰ کہ ۵۶۷ھ میں اسمعیلیہ کو مصر اس طرح چھوڑنا پڑا کہ وہاں ایک اسمعیلی بھی نہ رہا۔ جبکہ ۴۲۲ھ میں شمالی افریقہ کے باشندوں نے شیعی مذہب کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ اور ۴۷۳ھ میں بلادِ عرب میں فاطمی حکومت کا نشان تک نہ رہا یہ وہ علاقے تھے جن میں فاطمی دعوت کی کامیابی کے لئے اُن کے چھٹے امام حضرت جعفر الصادقؑ نے بشارت دی تھی۔

۱۱ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۹۸

۱۲ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۶۲

(۲) مصر میں زوال سے قبل ہی اسماعیلیہ (طیبی) نے اپنا مرکز یمن منتقل کر لیا تھا۔ مگر یمن میں محدود علاقوں پر اُن کا قبضہ رہا اور وہ بھی بہت مختصر مدت کے لئے۔ یمن کو اسماعیلیہ مبارک بقعہ کہتے تھے۔ کیونکہ یمن میں ہی ان کی دعوت کو ابتدائی کامیابی ہوئی تھی لیکن یہ مبارک بقعہ بھی اُن کو راس نہ آیا اور قریباً پانچ صدیاں خاموشی کے ساتھ گزارنے کے بعد اسماعیلیہ (طیبی) کو ہندوستان منتقل ہونا پڑا۔ یمن کا اب یہ حال ہے کہ وہاں اسماعیلیہ (طیبی) یعنی سلیمانی بوہرے چند ہزار کی تعداد میں ہیں۔ ہندوستان میں بھی اسماعیلیہ (طیبی) کو جو بوہرے کے نام سے معروف ہیں کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ اب کچھ عرصہ سے اُن کی دعوت کا سلسلہ بھی بند ہے۔ قبل از پاکستان اُن کی کل تعداد کا اندازہ ۱۱ لاکھ تھا۔

(۳) اسماعیلیہ کی ایک شاخ نزاریہ کو چھٹی/ساتویں ہجری میں شمالی ایران، عراق، کوہستانی علاقے اور شام کے سوا حل پر اقتدار ملا۔ یہ اقتدار کوئی ۱۱۰ سال رہا اس کا خاتمہ تاناریوں نے ۱۲۵۸ء میں کیا ان کا مرکز الموت تھا۔ اس کے بعد نزاری ایرانی میں کئی جگہ منتقل ہوئے۔ آخر کار اُن کو بھی ہندوستان میں ہی پناہ ملی اور نزاریوں کے امام حسن علی شاہ آغا خاں اول ۱۲۵۸ء ۱۸۳۲ء میں سندھ آگئے۔ یہ لوگ آغا خانی کہلاتے ہیں۔ حکومت برطانیہ کی سرپرستی کے باوجود ہندوستان میں اُن کی دعوت کو فروغ نہ ہو سکا۔ مختصراً اسماعیلیہ کو حکومت بھی ملی، دولت بھی ملی، دہشت گردی بھی اختیار کی لیکن موجود صورت حال سعی لا حاصل کی مکمل نمونہ پیش کرتی ہے :

۱۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۶۸

۲۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحات ۸۳-۸۴

۳۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحات ۸۳-۸۴

۴۔ آب کوثر صفحہ ۳۵۵

۵۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحات ۸۳-۸۴
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

موجودہ صورت حال

ڈاکٹر زاہد علی کے اندازے کے مطابق قبل از پاکستان دنیا کے تمام ممالک میں اسماعیلیوں (نزاریہ، مستعلویہ، دروز اور ان کے تمام فرقوں) کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔ جواب بڑھ کر زیادہ سے زیادہ آٹھ لاکھ ہو گئی ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ اسماعیلیوں میں بڑی تعداد تعلیم یافتہ افراد کی ہے، یہ لوگ تجارت کرتے ہیں۔ سیاست میں بالواسطہ حصہ لیتے ہیں *Unity in adversity* مصیبت میں اتفاق و اتحاد کے اصول کے تحت متحد و منظم ہیں اور یہودیوں کی طرح تعداد کے تناسب سے زیادہ معروف ہیں۔ لیکن ان کی آبادی منتشر ہے نیز نزاریہ (آغا خانیوں) اور طیبی مستعلویہ (بوہروں) میں شدید اختلاف ہے۔ غالباً یہ ظاہر کوئی مستقبل نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس جدوجہد میں مصروف ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں میں باعزت زندگی گذار سکیں۔ لہذا وہ اپنے پھیلاؤ سے زیادہ عوامی رفاہی امور میں دلچسپی لیتے نظر آتے ہیں تاکہ عامۃ الناس ان کے متعلق نیک خیال قائم کریں۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ دنیا میں مسلمانوں کی کل تعداد کے اعتبار سے ایک ہزار میں ایک ہیں۔ یعنی ۰.۰۱٪ اس تعداد کو بارہ سو سالہ جدوجہد کے بعد اگر اسماعیلیہ اپنے نظریہ امامت یا فاطمی دعوت کی کامیابی تصور کرتے ہیں تو یہی کہا جائے گا کہ

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی

کایں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

یہ صورت حال ان کو دعوتِ فکر دے رہی ہے کہ کیا کھویا اور کیا پایا ؟

باب یا از دہم

حرفِ آخر

اسماعیلی عقائد و فاطمی دعوت

اسماعیلی عقائد اور فاطمی دعوت سے متعلق باب چہارم میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اسماعیلیہ سے متعلق تمام مصنفین خواہ موافق ہوں یا مخالف اس امر پر متفق ہیں کہ اسماعیلی عقائد پر مختلف فاسقوں کا غلبہ ہے۔ یہ اقرار ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اسماعیلی عقائد کا تعلق قرآن و سنت سے برائے نام ہے۔ لہذا اسماعیلیہ سے متعلق دیگر امور پر گفتگو محض علمی رہ رہتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسماعیلیہ سے متعلق بعض امور وقف وقفہ سے سامنے آتے رہتے ہیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ کچھ امور سے متعلق ہم بھی اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

اخفا و رازداری کی اصل وجہ

تقیہ اور اخفا میں تھوڑا سا ہی فرق ہے۔ کہا جاتا ہے یہ طریقہ یا عقیدہ بھی ایران سے آیا کیونکہ حران کے صابی اپنا دین چھپاتے تھے۔ لیکن تقیہ پر عمل تو ابتدا سے ہی بتلایا جاتا ہے۔ اسماعیلیہ نے تو صرف اتنا کیا کہ اُس کو اپنی بلندی پر

پہنچا دیا۔ ہمارے خیال میں اخفار و رازداری کی اصل وجہ اسمعیلیہ کے عقائد اور فاطمی دعوت کی نوعیت تھی۔ دراصل یہ وہ زمانہ تھا جب قرآن و سنت کی تعلیمات عام ہو چکی تھیں اور متوسط طبقہ میں اتنا شعور پیدا ہو گیا تھا کہ وہ یہ تمیز کر سکتے تھے کہ کس عقیدے کا واقعی تعلق قرآن و سنت سے ہے اور کتنا ہے اسمعیلیہ کے عقائد و دعوت کو مرتب کرنے والوں کے متعلق سب متفق ہیں کہ وہ فہم و فراست کی اولین سطح پر تھے لہذا وہ اپنی مرتبہ دعوت کے متعلق ضرور جانتے ہوں گے کہ اُس کی نوعیت کیا ہے۔ یعنی یہ اتنی پیچیدہ ہے کہ اُس کو مجمع عام میں پیش نہیں کیا جاسکتا بلکہ اُس کے لئے نہ صرف پہلے سے زمین ہموار کرنا ہوگی بلکہ یہ کہ صرف خواص ہی اس کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور اگر عوام کے سامنے پیش کیا گیا تو شدید گڑبڑ ہوگی۔

ابتداء میں اخفار کی وجہ حکومت سے خطرہ بتلائی جاتی ہے اور فاطمی خلافت کے قیام کے بعد عباسی خلافت اور اُندلس میں اموی حکومت سے خطرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں یہ خطرات حق و صداقت کی آواز کو نہیں روک سکتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اموی اور عباسی دورِ خلافت میں ایسے کم نہ تھے جو ہر وقت اپنے موقف کے لئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کو تیار تھے۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے یکے بعد دیگرے ستونِ دارِ پر سروں کے چراغ رکھنے میں ذرا بھی تکلف نہ کیا۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے تیغِ قاتل کی روانی میں ابدی سکون محسوس کیا۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو حضرت زید شہیدؒ اور حضرت محمد نفس الزکیہؒ کے اسما گرامی یاد ہیں اور یاد رہیں گے۔ یہ بھی تو فاطمی تھے۔

Shorter Encyclopedia of Islam میں اٹھارہ افراد کے نام گنائے ہیں جنہوں نے اموی و عباسی دورِ خلافت میں خروج کیا۔ ان میں سے گیارہ حسنی ہیں اور سات حسینی مقالہ *Adids* یعنی علوی۔

لہذا ہمارا خیال ہے کہ اسمعیلیہ کے عقائد اور دعوت مرتب کرنے والوں میں اعتقاد کا فقدان تھا۔ اور وہ یہ جانتے تھے کہ اُن کو قبولِ عام کی سند نہیں مل سکتی۔ یہی ہوا بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ابو عبد اللہ شیعی کی عسکری کامیابی کے بعد جس نے اسمعیلیت قبول نہ کی اس کو قتل کر دیا گیا لیکن اس کے فوراً بعد عبید اللہ المہدی کو احساس ہوا اور مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔ مختصراً فاطمی دورِ خلافت میں کبھی بھی کھل کر اسمعیلی عقائد پیش نہیں کئے گئے۔ اور جب کبھی ایسا کیا گیا تو شدید گڑبڑ ہو گئی جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہے:

”اگر اُن کو اپنی رعایا کا خوف نہ ہوتا تو خلفاء اپنے عقیدوں کی حقیقت کو جن کی پیروی مصر کے خاص محلوں میں شریک ہونے والے کرتے تھے صلائیہ عوام کے سامنے ظاہر کرتے اکثر ایسا ہوا ہے کہ بعض اماموں کی رائے کی مخالفت میں پہلک نے ایسے احتجاج کئے جو دھمکی کی حد تک پہنچ گئے۔“

”۵۱۳ھ / ۱۱۱۹ء میں ایک فرقہ زکلا جو بدیعہ کہا جاتا ہے۔۔۔ جنہوں نے اصلی اسمعیلی عقیدے ظاہر کئے۔ اُن کے نام حمید اور برکات تھے۔ مامون نے حمید اور اس کے ماننے والوں کو قتل کر دیا۔“

ہمارے اس خیال کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسمعیلیہ کے یہاں ایک عقیدہ یہ ہے کہ امام کی معرفت کے بعد ظاہری اعمالِ شریعت کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن عامۃ المسلمین جن میں اکثریت اہل سنت والجماعت کی تھی اس صورتِ حال کو کب گوارا کر سکتے تھے۔ اُن کے سامنے سلف صالحین کی زندگیاں تھیں۔ لہذا جب کبھی ایسا ہوا کہ اپنے عقیدے کے مطابق اسمعیلیوں نے ظاہری اعمال

۱۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۱۳۴

۲۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ دوم صفحہ ۱۶

شریعت میں تعطل اختیار کیا تو شدید گڑبڑ ہوئی بلکہ یوں کہتے کہ فاطمی ائمہ اور داعیوں نے اگر ظاہر اعمال شریعت کی پابندی کی تو وہ عوام (اہل سنت) کے دباؤ سے کی اپنے عقائد کی بنیاد پر نہیں کی۔ فاطمی خلافت کی پوری تاریخ اس کی گواہ ہے۔

اس تجزیہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اسمعیلی عقائد اور فاطمی دعوے کبھی عوام تک پہنچے ہی نہیں یا پہنچائے ہی نہیں گئے۔ اور فاطمی خلافت کا مذہبی دور ابتدا ہی سے سیاسی دور میں بدل گیا۔ لہذا ابتدا سے لے کر انتہا تک اسمعیلی مذہب کبھی عام نہیں ہوا۔^۱

اس صورت حال میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ دولتِ فاطمیہ کے مسلمان عوام نے اسمعیلی دعوت کو مسترد کر دیا اور فاطمی خلافت، خلافت، نہ تھی بلکہ حکومت تھی جو دیگر حکومتوں کی طرح ظلم و ستم، داد و دہش اور عسکری قوت کی بنا پر قائم رہی۔ VATICAN^۲ نے بھی کچھ ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے:

”فاطمی اسمعیلیت چونکہ خوشگوار و پرسکون مستقبل کا وعدہ پورا نہ کر سکی لہذا وہ ایک الہامی تحریک کی حیثیت سے ناکام ہو گئی“^۳

فقہ اور اخفار کی کار فرمائیاں

ہم نے اسمعیلیوں سے متعلق بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان میں وہ بھی ہیں جو ہمارے ملک میں لکھی گئی ہیں۔ اور وہ بھی ہیں جو مغربی مستشرقین نے لکھی ہیں۔ ہم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ ان کتابوں کو خالی الذہن ہو کر

^۱ تاریخ فاطمیین مصر حصہ اول صفحہ ۱۲۲

^۲ The Fatimid Theory of State صفحہ ۱۷۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پر مھیں لیکن ایک چیز جو ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسمعیلیہ کے یہاں سب سے اہم امور قطعی غیر یقینی کیفیت میں ہیں اور ان پر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد بھی بحث جاری ہے۔ جن میں چند یہ ہیں:

- ① حضرت امام جعفر الصادقؑ نے کن حالات میں اپنی نص بدلی؟
- ② حضرت اسمعیل بن حضرت امام جعفر الصادقؑ کی ۱۳۳ھ میں موت واقع ہوئی یا نہیں؟
- ③ اخوان الصفا کے رسائل کا مرتب کون تھا؟
- ④ عبید اللہ المہدی (عبداللہ) کا نسب کیا تھا؟
- ⑤ امام حاکم کا انتقال ہوا یا قتل کیا گیا یا غائب ہوا یا آسمان پر اٹھالیا گیا؟
- ⑥ امام طیب کا انتقال ہوا یا غائب ہوئے؟

مندرجہ بالا امور سے متعلق روایات کا اختلاف ہم نے باب ہفتم میں بتلایا ہے۔ یہ دراصل بیچارے مورخوں کا قصور نہیں یہ کار فرمائی ہے تقیہ کی۔ جس کے منہ میں جو آیا کہہ دیا نہ ڈر دنیا کا نہ آخرت کا۔ نتیجہ اسمعیلی مذہب:

ایک معمر بن گیانہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

معمر کو تو کبھی نہ کبھی کوئی حل کر ہی لیتا ہے مگر ہم نے اسمعیلی مذہب کو جو ایک ایسا معمر کہا ہے کہ ”جو نہ سمجھنے کا ہے اور نہ سمجھانے کا“ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقیہ سے ایسی صورت پیدا ہو چکی ہے کہ اسمعیلیہ سے متعلق بہت سے معموں کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی محققین و مستشرقین شکست تسلیم کر چکے ہیں اور

لہ اس نوعیت کا اختلاف صرف امامیہ (اثنا عشری) کے یہاں ملتا ہے اور کہیں نہیں دیکھئے مقالہ اثنا عشریہ Shorter Encyclopedia of Islam

اس میں وہ حق بہ جانب ہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

عبد اللہ المہدی پہلے فاطمی خلیفہ کے نسب کے سلسلہ میں عباسی خلیفہ القادر باللہ نے $\frac{۳۰۲}{۱۰۱۱}$ یا $\frac{۳۰۶}{۱۰۱۵}$ میں ایک محضر تیار کرایا جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ عبد اللہ المہدی بانی خلافت فاطمی نسب اعتبار سے فاطمی نہ تھا۔ اس محضر کا جو حشر فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ (۳۸۶-۴۱۱ھ) نے کیا وہ تو دوسری بات ہے۔ لیکن اس محضر پر دستخط کرنے والوں میں امامیہ (اثنا عشری) کے دو صفِ اول کے اکابر بھی تھے۔ یہ دونوں بھائی الشریف رضی، الشریف مرتضیٰ تھے۔ لیکن اول الذکر کے کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن سے عبد اللہ المہدی کا صحیح النسب فاطمی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ اشعار اُن کے دیوان میں شامل نہ تھے۔ اس سلسلہ میں اگر یہ پوچھا جاتا ہے کہ ان اشعار کی موجودگی میں اس محضر پر دستخط کس طرح کئے گئے اور الشریف رضی کے دیوان میں وہ اشعار کیوں نہیں تو جواب ملتا ہے کہ عباسی خلیفہ کے دباؤ کے تحت ایسا کیا گیا تھا۔ اب خیال فرمائیے کہ حقیقت کا تلاش کرنے والا جب تحقیق کے اس مرحلہ پر پہنچتا ہے تو سر پیٹ لیتا ہے۔ وہ غریب کس کی تحریر کو محبت بنائے۔ کس کے قول کو صحیح سمجھے۔ نہ کسی کی تحریر کا اعتبار نہ کسی کی تقریر کا اعتبار۔ اس صورت میں ہر دلیل بے کار، ہر حجت لا حاصل۔ بلکہ ذرا گہرائی سے عقیدہ امامت کو ذہن میں رکھ کر سوچئے تو امامیہ (اسماعیلیہ و اثنا عشریہ) کے لئے تقیہ اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ تقیہ ہی ہے جو اُن کے لئے حکومتِ وقت سے وفاداری کے لئے عہد و پیمان کا دروازہ کھولتا ہے۔

لہ تارخ فاطمیتین مصر حصہ اول صفحات ۸۲-۸۳

لہ یہ اشعار آج کل مروجہ دیوان میں موجود ہیں۔ ایضاً۔

باب دوازدهم

عقیدہ رسولؐ

(وہی)

عقیدہ / نظریہ امامت تاریخ کی نظر میں

عقیدہ امامت کے بنیادی نکات

① نبی کے بعد اُن کے جانشین و خلیفہ، امام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و مرسلین کی طرح (جن کا انتخاب اُمت یا قوم نہیں کرتی) مقرر اور نامزد ہوتے ہیں۔

② وہ نبی ہی کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔

③ دنیا کبھی امام سے خالی نہیں ہوتی خواہ وہ ظاہر ہو یا غائب۔

④ انبیاء و مرسلین ہی کی طرح اُن کی اطاعت اُمت پر فرض ہوتی ہے۔

⑤ اُن کا درجہ رسول اللہ صلعم کے برابر اور دوسرے سب نبیوں سے بالاتر ہوتا ہے۔

⑥ وہی اُمت کے دینی و دنیوی سربراہ اور حاکم ہوتے ہیں۔

- ④ امت پر بلکہ ساری دنیا پر حکومت کرنا اُن کا اور صرف اُن کا حق ہے۔
- ⑤ اُن کے علاوہ جو بھی حکومت کرے وہ غاصب و ظالم اور طاغوت ہے۔
- ⑥ امامت بغیر نص کے قائم نہیں ہوتی۔
- ⑦ امام وقت کا جانتا واجب ہے۔
- ⑧ امام وقت حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتا ہے۔
- ⑨ نبی کریمؐ نے اپنے بعد مامور ہونے والے بارہ ائمہ کے نام بھی بتلادیئے تھے۔ (اثنا عشری عقیدہ)

امامیہ یا اہل تشیع کی ابتدائی کیفیت

زمانہ حال کا مغربی مصنف VATICANOTIS لکھتا ہے:

”مگر بلا میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے فوراً بعد شیعوں میں خلافت کے حصول کے لئے بہت سے گروہ پیدا ہو گئے۔“

گذشتہ صدی کا معروف محقق ایم سلوسٹر۔ ڈی۔ ساسی لکھتا ہے:

”شیعان علیؑ بہت جلد گروہوں میں بٹ گئے۔ اگرچہ یہ سب حجاز اہل بیت تھے لیکن ان میں نہ تو اُس عالی نسب کے حقوق امارت پر اتفاق تھا اور نہ اس پر متفق تھے کہ حق امارت کون سی شاخ کو منتقل ہوا ہے۔“

برصغیر کے مشہور مورخ سید امیر علی لکھتے ہیں:

”توقع تو یہ تھی کہ ظلم و ستم شیعان علیؑ کو متحرک رکھ سکے گا لیکن اگرچہ سب اس بات پر متفق تھے کہ خلافت / امارت اہل بیت کا حق ہے ان میں اکثر نے کسی

۱۔ فاطمیوں کا تصور ریاست، از وئی کیوش صفحہ ۵

۲۔ فدائیوں کی تاریخ، فان ہیمیر صفحہ ۲۹۱

منصوبہ یا جانب داری کے تحت مسلمہ ائمہ کے علاوہ دیگر افراد سے وابستگی اختیار کر لی^۱

(ڈی. ساسی کا 'شاخ' سے مقصد حسنی و حسینی سادات سے ہے جن میں ابتدا ہی میں امامت سے متعلق اختلاف رونما ہو چکا تھا جبکہ امیر علی کے دیگر افراد میں جملہ بنی ہاشم آجاتے ہیں اور ان کے مسلمہ ائمہ وہی ہیں جن کو آج کل ائمہ اہل بیت کہا جاتا ہے)

www.KitaboSunnat.com

امامیہ میں اتحاد کا فقدان

ہمیں ان تینوں بیانات میں ایک بات متفق علیہ ملتی ہے وہ یہ کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد شیعیان علیؑ متحد نہ رہ سکے۔ تاریخ تو یہ بھی بتاتی ہے کہ صرف شیعیان علیؑ نہیں تھے حضرت علیؑ کی جملہ اولاد بھی امامت کے مسئلہ پر متحد نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم کا ہر فرد امامت کا امیدوار تھا۔ ہم ان میں سے چند اہم ترین حضرات کے اختلافات کا ذکر کریں گے:

امامیہ میں پہلا اہم اختلاف

① حضرت محمد بن الحنفیہؑ

اگرچہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حضرت امام علی السجادؑ/زین العابدین کو امام تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن کیسانہ نے حضرت محمد بن الحنفیہؑ کو امامت کے لئے آگے بڑھایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے لئے تیار نہ تھے

۱۔ The Spirit of Islam صفحہ ۳۲

نوٹ: امامیہ کے یہاں جملہ بنو فاطمہؑ عترت رسولؐ سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو اہل بیت بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث ثقلین کی روشنی میں عترت رسولؐ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

۲۔ مقالہ کیسانہ - Shorter Encyclopedia of Islam

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مگر اُن کے انتقال (۸۱ھ) کے بعد اُن کے بیٹے امامت پر قائم رہے۔ اُن کا نام ابو ہاشم عبد اللہ تھا۔ اُن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ عالم، فاضل، فصیح و بلیغ تھے۔ اور اپنے والد بزرگوار (حضرت محمد بن الحنفیہ) کے باطنی علوم کے وارث تھے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت محمد بن الحنفیہ کے متعلق ایک گروہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اُن کو اپنے والد حضرت علیؑ سے براہِ راست امامت ملی تھی کیونکہ حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں اُن کو 'علم' دیا تھا جبکہ ایک گروہ کہتا ہے کہ انہوں نے حضرات حسینؑ سے جملہ علوم باطنی حاصل کئے تھے۔ اُن کے متعلق کیسانہ کے شاعر الکثیر (متوفی ۱۰۵ھ) نے بہت ہی دلچسپ اعتقادات کا اظہار کیا ہے: اُردو ترجمہ:

حق کے ولی چار ہیں برابر (رتبہ میں)
علیؑ اور تین اُن کی اولاد میں سے

مندرجہ بالا سطور سے ہمارا مقصد یہ بتلانا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں ائمہ کی تعداد کے متعلق یہ خیال تھا کہ ائمہ صرف چار ہیں۔ یعنی حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ اور محمد بن الحنفیہؑ۔

امامیہ میں دوسرا اختلاف

② حضرت زید شہیدؑ بن حضرت علی السجادؑ / زین العابدینؑ
حضرت زیدؑ نے اپنے بھائی حضرت محمد الباقرؑ کو (اہل بیت کے پانچویں امام)

۱۔ تاریخ فاطمیین مصر حصہ اول صفحہ ۴۷
۲۔ مقالہ کیسانہ - Shorter Encyclopedia of Islam
۳۔ تاریخ فاطمیین مصر جلد دوم صفحہ ۲۷۴

امام تسلیم کرنے کی بجائے خود امامت کا دعویٰ کیا۔ اُن کے اتباع میں زیدیہ وجود میں آئے یعنی وہ زیدیہ امامت کے سلسلہ کے پانچویں امام ہیں۔ حضرت زید شہیدؒ نے اپنا نظریہ امامت پیش کیا ہے۔ انہوں نے فقہ پر بھی ایک کتاب 'المجموع' لکھی۔ اُن کے نظریہ امامت کے اہم نکات یہ ہیں:

- ① امام کا بنی فاطمہ میں سے ہونا ضروری ہے۔
 - ② امام نہ مامور من اللہ ہوتا ہے اور نہ معصوم۔
 - ③ فاضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت جائز ہے۔
 - ④ امام ایسا شخص ہونا چاہیے جو بزور اپنا حق لے سکے۔
 - ⑤ امام کا انتخاب (بنی فاطمہ میں سے) شوریٰ کے ذمہ ہے (فرقہ جارودیہ)۔
- گواہ زیدیہ کے یہاں اماموں کی تعداد کے تعین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صرف اُن کے نظریہ امامت کو ہی قابلِ عمل تسلیم کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ حضرت زید شہیدؒ نے اموی دورِ خلافت میں خروج کیا اور شہید ہوئے۔ ہم یہاں تفصیلات کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں۔

امامیہ میں تیسرا اہم اختلاف

- ③ حضرت اسمعیلؑ بن حضرت امام جعفر الصادقؑ
- حضرت امام جعفر الصادقؑ (جن کا نمبر ائمہ مسلمہ / اہل بیت میں چھٹا ہے) کے جانشین سے متعلق اُن کی زندگی میں اختلاف ہوا اور حضرت امام موصوف کی کی ہوئی نص کے برخلاف اُن کی زندگی ہی میں حضرت اسمعیل کے بیٹے حضرت محمد بن اسمعیل کو امام تسلیم کر لیا گیا۔ جس سے فرقہ اسمعیلیہ وجود میں آیا اسمعیلیہ
- لہ و لہ دیکھئے مقالہ زیدیہ

کے یہاں بھی ائمہ کی تعداد بعض کے نزدیک سچاس ہے جبکہ بعض کے نزدیک ستواہے۔ (اسمعیلیہ کا نظریہ امامت اس رسالہ میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے)

بنی ہاشم کی نظریہ امامت سے بے خبری

۴۷ حضرت محمد نفس الزکیہ

بنو امیہ کی خلافت کے آخری دور میں علوی اور عباسی ایک جگہ اکٹھے ہوئے اس مجلس کا ذکر ڈاکٹر زاہد علی نے الفخری کے حوالہ سے اس طرح کیا ہے:

”بنو امیہ کے آخری زمانے میں علویوں اور عباسیوں کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں علویوں کی طرف سے حضرت امام جعفر الصادقؑ اور عبداللہ المحض بن حسن بن حسن بن علیؑ اور عبداللہ المحضؑ کے دونوں فرزند محمد (نفس زکیہ) اور ابراہیم (قتیل یا خمری) اور عباسیوں کی جانب سے سفاح (عباسی خلیفہ اول) اور اس کا بھائی منصور وغیرہ شریک ہوئے۔ ان لوگوں نے بنو امیہ کے زمانے میں جو مظالم اُن پر گزرے اُن کا تذکرہ کیا اور یہ تجویز کی کہ اب ہمیں اپنا حق حاصل کرنا چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اب بنی امیہ کمزور ہو گئے ہیں اور لوگ اُن کی طرف زیادہ مائل نہیں اس لئے انہوں نے یہ رائے پیش کی کہ ایک خفیہ دعوت قائم کی جائے اور اس کے صدر نفس زکیہ قرار دیئے جائیں کیونکہ وہ علم و فضل اور شرف کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔“

امیر علی نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں حضرت امام جعفر الصادقؑ شریک نہ تھے لیکن اس میں بنو ہاشم کی اکثریت موجود تھی اور محمد النفس الزکیہ

لے تاریخ فاطمیہ مصر حصہ اول صفحہ ۵۷

لے تاریخ عرب صفحہ ۲۲۰ A Short History of the Saracens

کو اپنے والد بزرگوار کی موجودگی میں اتقا اور پرہیزگاری کی وجہ سے متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کیا گیا حتیٰ کہ ابو جعفر منصور نے (جو بعد میں خلیفہ ہوا) بھی اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (واضح رہے کہ اس روایت میں خلیفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے امام کا نہیں اور حضرت محمد نفس الزکیہ اور اُن کے بھائی حضرت ابراہیمؑ (قتیل باخری) کا تعلق حسنی سادات سے ہے۔ ان دونوں نے ۱۲۵ھ میں عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد میں خروج کیا اور شہید ہوئے)۔

بنی فاطمہ کے عاشقانِ پاک طینت

⑤ بنو فاطمہؑ میں ایسے افراد کی تعداد اٹھارہ ہے۔ جنہوں نے اموی/عباسی دورِ خلافت میں خروج کیا اور شہید ہوئے۔ مختصراً اُن ائمہ کی جنہیں 'مسلمہ' (مسلمہ محمدیہ) کہا جاتا ہے اُن کے سکے بھائیوں اور بیٹوں تک نے بھی اُس حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جو امامیہ (اثنا عشری) یا اسمعیلیہ کے نظریہ امامت کی رو سے اُن کو حاصل تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن احادیث کو جو امامیہ (اثنا عشریہ) یا (اسمعیلیہ) اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں کیوں درخور اعتبار نہ سمجھا؟ یہ ایک اہم سوال ہے یہ سب حضرات متقی اور پرہیزگار تھے۔ لہذا بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا تو یہی کہ کیا ان حضرات کو اُس حدیث کا علم نہ تھا جس میں کہا جاتا ہے کہ رسول پاکؐ نے بارہ ائمہ کے نام تک بتلا دیئے ہیں؟ دوسرا یہ کہ اسمعیلیہ جو ابتدائی چھ اماموں پر متفق ہیں ان بارہ اماموں کے نام جاننے کے باوجود ساتویں امام پر کیوں علیحدہ ہو گئے؟ کیا اُن کی علیحدگی امام سے انحراف نہیں؟

۱۔ Shorter Encyclopedia of Islam مقالہ علوی۔

تیسرا یہ کہ کیا اُس اجتماع کے شرکار کو جو بنی اُمیہ کے آخری دورِ خلافت میں ہوا اُس حدیث کا علم نہ تھا جس میں کہا جاتا ہے کہ رسول پاکؐ نے بارہ ائمہ کے نام تک بتلائے تھے؟ کیا اُس اجتماع میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس طرف توجہ دلاتا؟ جبکہ اس میں حضرت محمدؐ نفسِ زکیہؑ خود موجود تھے جن کی پرہیزگاری کا اعتراف امیر علی کے بقول سب کو تھا اور اسی وجہ سے ان کا لقب 'نفس الزکیہ' ہو گیا تھا۔ اُن سے پہلے حضرت زید شہیدؑ کے علم و فضل کا اعتراف بھی سب کو تھا۔ یہی صورت حضرت محمد بن الحنفیہؑ کی بھی تھی۔

یہ گوگو کی صورت حال صرف ایک ہی سمت کی طرف لے جاتی ہے اور اس سے پہلے کہ ہم اس کی وضاحت کریں وہی کیوٹس کا بیان قابل توجہ ہے:

① 'ابتدار میں' شیعہ، کا لفظ مسلمانوں کی دینی و دنیوی قیادت کے لئے جدوجہد میں حضرت علیؑ کی اولاد سے سیاسی وفاداری کے لئے استعمال ہوا۔

② 'شیعیت' دراصل حضرت علیؑ بن ابی طالب کی پارٹی کا نام ہے نہ کہ کوئی ایسا مجموعہ جو حضرت علیؑ نے بہ حیثیت ایک دینی معلم کے وضع کیا ہو۔

③ 'تشیع' سے مراد حضرت علیؑ کی اولاد سے اُن کے حصول مقصد میں

بلا واسطہ یا بالواسطہ تعاون کا نام ہے۔

القلقشندی کی شیعہ کی تعریف بیان کرنے کے بعد 'وئی کیوٹس' اس طرح

لکھتا ہے:

④ 'ابتدار میں' تشیع ایک سیاسی جدوجہد تھی۔

⑤ 'شیعہ' بہ حیثیت ایک بڑے فرقہ کے پہلے نمودار ہو گئے اور

⑥ اُن کے عقائد کے لئے موضوعات اور الہیات سے جوازِ بعد میں

لہ قاطمیوں کا تصور ریاست، از VAKIDOTIS صفحہ ۲-۱

The Fatimid Theory of State.

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دریافت کیا گیا۔

وٹی کیوٹس کی تحقیق کے بعد ہمیں مزید لکھنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اب ہم حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب شیعہ (SHI'A) سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں: (جس کی حیثیت رقیب کے سرٹیفکٹ کی سی ہے)

“..... paradoxically enough the majority of the descendents of the Prophet belonged to Sunnism and continue to do so until today.”

توجہ، توقع و امکانات کے برخلاف اہل بیت رسول کی اکثریت کا تعلق اہل سنت والجماعت سے رہا اور یہی صورت اب تک چلی آتی ہے۔ اس اقتباس سے بخوبی ظاہر ہے کہ بنو فاطمہ (شیعی اصطلاح میں عترت رسول یا اہل بیت) کی اکثریت نظریہ امامت سے خواہ اثنا عشری ہو خواہ اسمعیلی متفق نہ تھی۔ اور ائمہ اہل بیت (اثنا عشری) یا (اسمعیلی) کو امام تسلیم کرنے والوں میں بنی فاطمہ تو درکنار بنی ہاشم کے بھی چند ہی افراد ہوں گے۔

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ

تاریخی اعتبار سے:

- ① نظریہ امامت کی ابتداء سیاسی تھی۔
- ② بنی فاطمہ (اہل بیت یا عترت رسول) کی اکثریت اس نظریہ سے واقف

۱۔ مقدمہ کتاب SHI'A صفحہ ۱۲۔ یہ کتاب فارسی میں علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے لکھی اور ترجمہ بزبان انگریزی سید حسین نصر نے کیا ہے اور مقدمہ بھی انہوں نے لکھا ہے۔

ہی نہ تھی کیونکہ

③ نظریہ امامت کے لئے شرعی جواز بعد میں دریافت کیا گیا یا پیدا کیا گیا۔

ایسی صورت میں جب کہ عترت رسول کی اکثریت
نظریہ امامت کی قائل نہ تھی تو جمہور امامت کا اس
نظریہ سے ابتداء سے لیکر اب تک اختلاف کسی
وضاحت کا محتاج نہیں رہتا۔



باب سہ از دہم

نظریہ/عقیدہ امامت

دور جدید میں

موجودہ زمانہ کو ایک عرصہ سے ”سلطانی جمہور کا زمانہ“ کہا جا رہا ہے۔ بادشاہت کے خدائی حق کا تصور قصہ پارینہ ہو چکا۔ ملکی نظم و نسق سے متعلق سینکڑوں نظریات قائم ہو چکے ہیں ان میں کچھ پر جزوی، کچھ پر کلی طور پر عمل بھی ہو رہا ہے۔ ’ریاست‘ کا تصور، حکومت کی ذمہ داریاں، عوام کے بنیادی حقوق، ایک شہری کی ذمہ داریاں، بنیادی حقوق کا عالمی منشور یہ سب روزانہ تحریر و تقریر کا موضوع ہیں۔ مغربی دنیا نے ان امور سے متعلق بحث و تجویز میں نمایاں حصہ لیا ہے جس سے سیاسی لٹریچر (جو زیادہ تر انگریزی زبان میں ہے) بھرپور ہے۔ نئے نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ ایک وسیع ملک (بلکہ آدھی دنیا) میں تو ایسا نظام قائم ہے جس میں خدا کا تصور بھی نہیں ہے بلکہ عوام کو خدا کا مقام دیا گیا ہے۔ دیگر ممالک میں کہیں صدارتی طرز کی حکومت ہے۔ کہیں پارلیمانی ہے کہیں راجہ دھانی ہے مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج۔ مختصراً سینکڑوں نظریات کے نچوڑ کے طور پر ایک بہتر سے بہتر حکومت کی جو شرائط قرار دی جاسکتی ہیں

۱۔ نظام حکومت اسلامیہ - مولانا ابوالکلام آزاد

وہ حسب ذیل ہیں :

جمہوری حکومت کے لوازم

① حکومت جمہور کا حق ہو۔ ذاتی یا خاندانی نہ ہو۔

② ملک کے تمام شہری قانون کے اعتبار سے مساوی درجہ رکھتے ہوں۔ اور

حقوق میں خواہ وہ کسی بھی قسم کے ہوں سب برابر ہوں۔

③ ملک کے سربراہ کا تقرر عوام کے اختیار میں ہو جس کا ذریعہ انتخاب ہو۔

④ تمام امور ملکی و انتظامی و قانونی ملک کے اہل الرائے اشخاص کے مشورے

سے طے ہوں۔

⑤ ملک کا خزانہ عوام کی ملکیت ہو اور ملک کے سربراہ کو بغیر مشورے کے

اُس پر تصرف کا کوئی حق نہ ہو۔

عقیدہ امامت کے تحت کسی طرز کا بھی نظم و نسق ہو وہ مندرجہ بالا

شرائط میں سے ایک بھی پوری نہیں کر سکتا مثلاً عقیدہ امامت کے اعتبار سے

حکومت امام کا حق ہے ذاتی بھی خاندانی بھی۔ اسی طرح امام کیونکہ معصوم ہوتا ہے

لہذا وہ ہر قسم کے قانون سے بالاتر ہے۔ مامور من اللہ ہونے کی وجہ سے اُس کا

تقرر بھی عوام کے اختیار میں نہیں۔ وہ کسی بھی معاملہ میں کسی کے مشورے کا

پابند نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر زمانہ میں مامور من اللہ موجود ہوتا ہے خواہ ظاہر ہو

خواہ غائب ہو خواہ مستور لہذا کوئی ایسا وقت نہیں آ سکتا جب جمہور امام کے تصرف

سے خالی ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ملکی نظم و نسق میں جمہور کا کوئی

حصہ ہو ہی نہیں سکتا یا مخصوص اُس زمانہ میں جب امام غیبت میں ہو یا ستر میں

ہو ایک غلام ہو جاتا ہے جس کے پُر کرنے کے لئے کوئی واضح طریقہ نہیں۔

لہ دیکھتے باب دوم

مندرجہ بالا صورت تو عقیدہ امامت کی عمومی طور پر ہے۔ اب ذرا عقیدہ امامت کے متبعین میں سے اسمعیلیہ کی صورت حال دیکھیں کیونکہ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے اسمعیلیہ کو اولاً افریقہ میں پھر مصر اور بلاد عرب میں حکومت کا موقع ملا جس کو فاطمی دورِ خلافت کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر زاہدی کے مطابق فاطمی دورِ خلافت کی خصوصیات حسب ذیل تھیں:

① فاطمی خلافت خدا کی قائم مقام تھی۔

② فاطمی خلافت میں باپ کے بعد بیٹا جانشین ہوتا رہا۔

③ امام/خلیفہ کی حیثیت معصوم یعنی خارج عن الخطا پر کی تھی۔

④ حکومت امام کا حق تسلیم کیا گیا تھا۔

⑤ امام اپنے پیروں کے جان و مال کا مالک تھا۔

فاطمی خلافت کی ۲۲۷ سالہ مدت میں ایک بھی نظیر ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ 'خونِ شہرِ رنگین' تراز معمار نیست۔ ایسی بھی کوئی مثال نہیں کہ امام/خلیفہ قاضی کے سامنے جوابدہی کے لئے حاضر ہوا ہو۔ اسمعیلیہ کے نزاری فرقہ نے شمالی ایران اور عراق کے کوہستانی علاقہ پر ۱۱ سو سال حکومت کی ہے اس حکومت کا مرکز 'الموت' تھا جس کا ذکر پچھلے ابواب میں آچکا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ حسن بن صباح اور اس کے جانشینوں کا دورِ دہشت گردی کا دور تھا اس میں جمہور کے حقوق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مندرجہ بالا سطور سے واضح ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی اسمعیلیہ برسرِ اقتدار رہے جمہوری نظام کی ایک شرط بھی پوری نہ کر سکے۔ دراصل عقیدہ امامت کے تحت ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اور اسمعیلی عقیدہ امامت تو ایک دیو مالائی

فکر کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس کے عقیدہ تمندوں نے اپنے امام / خلیفہ کو اُلُوہیت کے درجہ پر پہنچا دیا۔ ایسی صورت میں جمہوری حقوق کا کیا سوال۔ موجودہ حالات یہ ہیں کہ اسمٰعیلیہ کے متعلو یہ فرقہ کے یہاں تو امام طیب کے دستور ہو جانے کے بعد سے دور ستر چل رہا ہے۔ قائم القیامہ کا انتظار ہو رہا ہے۔ اُن کو اقتدار کی توقع ہی نہیں اسی لئے غالباً انہوں نے دعوت کو محدود کر دیا ہے ویسے اُن کے یہاں امام کی غیبت میں داعی امام کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اسمٰعیلیہ کے دوسرے فرقے نزاریہ (آغا خانی) کے یہاں حاضر امام موجود ہے ایک نہیں دو، دو ہیں ایک کریم الحسینی دوسرے امین الحسینی۔ لیکن جیسا کہ ان حضرات کی روش سے پتہ چلتا ہے یہ مسلمانوں میں باعزت زندگی گزارنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں بظاہر اقتدار کا حصول اُن کا مقصد نظر نہیں آتا گو اس کے امکانات بھی نہیں ہیں اور وہ خود اس سے واقف بھی ہیں۔ اسی لئے وہ جہاں بھی ہیں وہاں ملکی سیاست میں براہِ راست حصہ نہیں لیتے۔

اسمٰعیلیہ کے بعد اثنا عشریہ فرقہ کی صورت یہ ہے کہ اُن کے یہاں عقیدہ امامت اب تک عقیدہ کی حد تک رہا ہے ان کو ایک دن کے لئے بھی دنیاوی اقتدار نہیں ملا جیسا کہ *ہم خلیفہ محمد بن عبد اللہ علیہ السلام* میں ”شیعہ“ کے مقالہ نگار نے لکھا ہے:

”یہ تمنا کہ علویوں میں امامت بہ حیثیت اہل بیت کے محدود رہے کبھی پوری نہ ہو سکی۔ حضرت علیؑ کی مختصر حکومت متنازعہ رہی اور حضرت حسنؑ کی خلافت کی مدت اس قدر قلیل تھی کہ اس کو مشکل سے ہی حکومت کہا جاسکتا ہے۔“

مقالہ نگار آر۔ اسٹراٹھمین کے مندرجہ بالا بیان کے بعد یہ وضاحت ضروری ہے کہ تاریخی اعتبار سے ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کو خلیفہ منتخب کیا گیا تھا اور ان کا عرصہ خلافت / حکومت جتنا بھی تھا یہ حیثیت ایک امام معصوم نہ تھا۔ ان حضرات کے بعد گوائمہ کا سلسلہ چلتا رہا مگر کوئی صاحب اقتدار نہ ہو سکا یہاں تک کہ ۲۶۰ھ / ۸۷۳ء میں غیبت صغریٰ کا زمانہ شروع ہو گیا جس میں سفرائے کے ذریعہ امام سے رابطہ قائم رہا۔ ۳۲۹ھ / ۹۴۱ء کے بعد غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا اور امام سے سفرار کے ذریعہ بھی رابطہ قائم نہ رہ سکا۔ اب گیارہ سو سال بعد امام کی غیبت کے دوران خلاہ کو پُر کرنے کے لئے ولایت الفقیہ کا فلسفہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کے تحت نائب قائم مقام امام کو وہی حقوق حاصل ہو جائے ہیں جو نبی یا امام معصوم کو ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ فلسفہ جدید اجتہاد پر مبنی ہے یا پہلے سے موجود تھا۔ کیونکہ صفویوں کی مشہور و معروف شیعی (اثنا عشری) حکومت میں شیخ الاسلام کا ذکر تو ملتا ہے نائب امام کا نہیں۔ بہر حال اس حدت سے اثنا عشری اُس سطح پر آگئے جس پر اسمعیلیہ ۹ سو سال قبل تھے یعنی جب امام طیب کی غیبت کے بعد ان کے داعیوں نے نائبین کی حیثیت سے ۵۲۳ھ سے ۵۶۷ھ / ۱۱۳۰ء سے ۱۱۷۱ء تک حکومت کی تھی۔ امام کی غیبت میں خلاہ کو پُر کرنے کے ساتھ ساتھ ایمان میں حکومت کے اعلیٰ عہدوں کے لئے انتخاب کا سلسلہ عرصہ سے چل رہا ہے۔ انتخاب کے اصول کو تسلیم کرنا چاہیے وہ نائب امام کا لطف و کرم ہو یا جدید اجتہاد، عوام کے حق حکومت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے جو عقیدہ امامت سے صریح انحراف ہے۔ واضح

لہ ایرانی انقلاب صفحہ ۳۱، ۳۲

لہ اگر تھا تو متفق علیہ نہ تھا۔ ایضاً صفحہ ۳۱، ۳۲

لہ مقالہ شیعہ، *Stanford Encyclopedia of Islam*

رہے کہ عقیدہ امامت کے اعتبار سے حکومت کا حق صرف امام کا ہے اور امام کی جانب سے نامزدگی (خواہ کسی عہدہ کی بھی ہو) اور چیز ہے اور عوام کا منتخب کرنا اور چیز ہے یہ اقدامات ظاہر کرتے ہیں کہ اثنا عشری عقیدہ امامت جواب تک ایک بہتر سے بہتر ملکی نظم و نسق کی شرائط پوری کرنے میں شدید رکاوٹ تھا اُس کو اجتہاد کے ذریعہ جدید سیاسی نظریات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن تصویر کے دوسرے رخ کو نظر انداز کرنا بھی مشکل ہے وہ یہ کہ عقیدہ امامت کے تحت نظم مملکت کے لئے ہر دور کے تقاضے پورے کرنا ممکن ہی نہ تھا اور اس لئے وہ چودہ سو سال سے

تشکیل ہی کے مراحل طے کرتا ہوا نظریہ آتا ہے

جیسا کہ ’امام‘ کے مقالہ نگار ایوانو (جو امامیہ سے متعلق معروف ترین محققین میں سے ہیں) لکھتے ہیں:

”ابتدائی نرم یا قدیم نظریہ امامت میں برابر بنیادی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور اس میں تاریخی اورائمہ کے خاندانی واقعات کے اثرات اورائمہ کے متبعین میں اختلافِ اعتقادات نے نمایاں کردار ادا کیا۔“

مندرجہ بالا اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ ایوانو نے لکھا ہے وہ حرف بہ حرف درست ہے بلکہ تبدیلیوں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اثنا عشریہ میں امید افزا حقیقت شناسی قدیم یا عقیدہ امامت سے انحراف۔

اس باب کی تکمیل ہو چکی تھی کہ اخبار جنگ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۸۵ء میں

لے سماء ۱/ Shorter Encyclopedia of Islam صفحہ ۱۶۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حسب ذیل خبر نظر سے گزری:

منتظری کو آیت اللہ خمینی کا جانشین منتخب کر لیا گیا

لندن (ریڈیو رپورٹ) آیت اللہ منتظری کو آیت اللہ خمینی

کا جانشین منتخب کیا گیا ہے جو اسلامی انقلاب کی رہنمائی کریں گے۔

ایرانی خبر ایجنسی نے اس کی اطلاع دیتے ہوئے اس سلسلہ میں تفصیل نہیں

بتائی تاہم مجلس خیرگان کا ایک اجلاس چند روز پہلے ہوا تھا۔ یہی ادارہ

ایران کے رہنما کا انتخاب کرنے کا مجاز ہے۔

ایران میں جو اس وقت امامیہ (اثنا عشری) فکر و نظر کا مرکز ہے عقیدہ

امامت کے تحت خود نائب امام کے جانشین کے لئے انتخاب بہت اہمیت رکھتا

ہے۔ اگرچہ یہ معاملہ اثنا عشریہ کا ہے لیکن ہم بھی اس آئین نو کو خوش آمدید

کہتے ہیں کیونکہ اس طرح اثنا عشریہ اہل سنت والجماعت اور زیدیہ کے موقف

سے قریب آگئے ہیں یعنی امت کے دینی و دنیوی سربراہ کے تقرر کے لئے قرآن

و سنت کے اعتبار سے اجماع و انتخاب کے اصول کو جس کے تحت حضور علیہ الصلوٰۃ

والتسلیم کے وصال کے فوراً بعد خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امت مسلمہ

کا دینی و دنیوی سربراہ مقرر کیا گیا تھا انہوں (اثنا عشریہ) نے بھی تسلیم کر لیا

واضح رہے کہ امام کی جانب سے نامزدگی دوسری چیز ہے اور عوام کو حق دے

کر الیکشن دوسری چیز۔ ہو سکتا ہے اسے بین الاقوامی اثبات کا دباؤ کہا جائے

لیکن ہم تو اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھتے ہیں کیونکہ اثنا عشریہ میں کچھ

عرصہ سے روشن خیالی اور حقیقت شناسی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے

لے و لے نظام حکومت اسلامیہ - مولانا ابوالکلام آزاد

کئی اور معاملات میں صدیوں پرانا موقف تبدیل کر لیا ہے۔ ان میں سے ایک تحریفِ قرآن پاک بھی ہے۔ کچھ عرصہ سے ایسی تقاریر سینے میں آرہی ہیں جن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اثنا عشریہ اور اہل سنت والجماعت کے قرآن پاک میں کوئی فرق نہیں۔ صحابہ کرامؓ کے متعلق بھی اثنا عشریہ نے اپنا رویہ بدلنا شروع کیا ہے۔ اور ان کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف بے الفاظ میں کر رہے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

“For the vast majority of the Islamic community, which supported the original Caliphate, the Companions (Sahaba) of the Prophet represent the Prophet's heritage and the channel through which his message was transmitted to later generations. Within the early community the Companions occupied a favoured position and among them the first four Caliphs stood out as a distinct group. It is through the Companions that the sayings (hadith) and manner of living (Sunnah) of The Prophet were transmitted to the second generation of Muslims.”

ترجمہ: مسلمانوں کی وسیع اکثریت کے لئے جنہوں نے خلافت (راشدہ) کی تائید کی صحابہ (کرامؓ) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث کی حیثیت رکھتے

لہ 'شیعہ' مطبوعہ ایران صفحہ ۱۲ (مقدمہ)

ہیں نیز وہ ذریعہ بھی جس نے نبی کریمؐ کا پیغام آنے والی نسلوں تک پہنچا۔
مسلمانوں کے ابتدائی دور میں صحابہ (کرامؓ) ایک پسندیدہ حیثیت کے
مالک تھے اور اُن میں بھی چاروں کے چاروں اولین خلفاء (راشدین)
کی حیثیت امتیازی تھی۔ یہ صحابہ (کرامؓ) ہی کا ذریعہ تھا جس سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و سنن مسلمانوں کی دوسری
نسل تک پہنچیں۔“

یہ اقتباس سید حسین نصر کے مقدمہ سے لیا گیا ہے جو انہوں نے علامہ
مید محمد حسین طباطبائی کی فارسی کتاب ”شیعہ“ کے انگریزی ترجمہ پر لکھا ہے۔
یہ کتاب ایران میں حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور تازہ ترین اثنا عشری فکر
کی آئینہ دار ہے۔ اُس سے قبل ہمارے اپنے ملک میں مشہور و معروف
شیعی مورخ جسٹس سید امیر علی نے اپنی کتاب ”عربوں کی تاریخ“ میں خلافت
راشدہ سے متعلق باب کا عنوان ہی ”Republique“ ”ری پبلک“ رکھا۔
یعنی خلفائے راشدین کے طرز حکومت کو ری پبلک قرار دیا۔ انہوں نے حضرت
ابوبکر صدیقؓ کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔ اُن کے امت مسلمہ کے دینی
و دنیوی سربراہ کی حیثیت سے تقرر کو ”الیکشن“ کہا ہے اور تقرر کے بعد پہلی
تقریر کو قرار واقعی اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے بلکہ صاف صاف لکھا ہے کہ:
”اُن (حضرت ابوبکرؓ) کی دانشمندی اور معتدل مزاجی مسلمہ تھی۔ اور
اُن کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور اہل بیت کے معزز افراد نے اسلام سے
حسب معمول عقیدہ تمندی کے تحت قبول کیا۔“

۱۰ A Short History of Saracens صفحہ ۲۱

حضرت عمرؓ کے متعلق سید امیر علی لکھتے ہیں:

(۱) ”(حضرت) عمرؓ کا خلیفہ ہونا اسلام کے لئے بے پناہ اہمیت کا حامل تھا۔“

(۲) ”(حضرت) عمرؓ کا انتقال اسلام کے لئے حقیقی مصیبت تھی۔“

اسی طرح انہوں نے اپنی دوسری کتاب ”روح اسلام“ میں خلیفہ اولؓ دوم، سوم و چہارم کے اسماء گرامی ”Rashidin Caliphs“ (خلفاء راشدین) کے عنوان کے تحت دیئے ہیں۔

ان سب پر مستزاد چند سال قبل ایران میں نائب امام کی قیادت میں قائم ہونے والی حکومت کا نام

ISLAMIC REPUBLIC OF IRAN.

رکھا گیا۔

الحمد للہ تاخیر کبھی، اجماع و انتخاب کی اہمیت و ضرورت واضح ہو گئی اور تسلیم بھی کر لی گئی۔ ثم الحمد للہ صحابہ کرامؓ کی قرآن و سنت کی فہم، نیک نیتی، بالغ نظری اور بے لوثی بھی واضح ہو گئی۔ اب صرف شخصیتوں کا اختلاف رہ گیا ہے جس کو اگر اُسی جمہوری اصول کے تحت دیکھا جائے الیکشن جس کا حصہ ہے تو وہ اختلاف بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا اشد ضروری ہے کہ صدیوں پرانے اختلافات

۱۔ وہ A Short History of Saracens صفحات ۲۷، ۳۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آنا فانا دور نہیں ہوتے۔ اس کے لئے بہت صبر و تحمل درکار ہے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت تقیہ و کتمان سے پیدا شدہ عدم اعتمادی کو دور کرنا

ہے جو صرف فکر و نظر میں تبدیلی کو عملی شکل دینے سے ہی

ہو سکتا ہے۔ اللہ پاک اثناعشری ارباب فکر میں جذبہ حقیقت شناسی کو قائم رکھے۔ انشاء اللہ یہ عدم اعتمادی بھی دور ہو جائے گی۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار

ہر زماں پیش نظر لایخلف المینعاد دار

اقبال www.KitaboSunnat.com



مَوْلَانَا شَاہِ کَرِیْمُ الْحَسَنِی الْاِمْلَہُ الْحَاضِرُ الْمَوْجُوْدُ اَرْحَمَنَا وَاعْفِرْ لَنَا

دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجیئس (مذہبی کمیٹی) نیو جماعت خانہ۔ بریٹیورڈ۔ کراچی



آغا خانی مذہبی عبادات کا پیغام

حقیقی مومنوں کو یا علی مدد!

بیان یہ ہے کہ ہم لوگ آغا خانی ہیں۔ ہمارا تعلق اسماعیلی تنظیم سے ہے جس کی ذمہ داری لوگوں کو مذہبی معلومات فراہم کرنا ہے۔ ہمیں عمت خانوں میں مکھی صاحب کی زیر سرپرستی جو مذہبی تعلیم دی جاتی ہے، اُس کی روشنی میں ہم آغا خانی، بندگی/عبادت جو جماعت خانوں میں کرتے ہیں اس کی مکمل وضاحت تفصیل ہم تحریر کر رہے ہیں۔

- سلام ہمارا ہے، یا علی مدد اور ہمارے سلام کا جواب ہے، مولا علی مدد۔
- کلمہ ہمارا ہے: اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ واشہد ان علیؑ
- وضو کی ہمیں ضرورت نہیں، اس لئے کہ ہمارے دل کا وضو ہوتا ہے۔
- نماز کی جگہ ہر آغا خانی پر فرض ہے کہ تین وقت کی دعا جو جماعت خانے میں آکے پڑھے، پانچ وقت کی نماز کے بدلے میں۔ ہماری دعا میں قیام و رکوع کی ضرورت نہیں ہے ہمیں قبلہ رخ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہر سمت رخ کر کے پڑھ سکتے ہیں جس کے لئے دعا میں حاضر امام کا تصور لانا بہت ضروری ہے (ہم دعا کی کتاب اس پیغام کے ساتھ بھیج رہے ہیں کہ آپ خود بھی پڑھیں اور دوسرے روحانی بھائیوں کو بھی دیں)۔

- روزہ تو اصل میں آنکھ، کان اور زبان کا ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہمارا روزہ سواپہر کا ہوتا ہے جو صبح دس بجے کھول لیا جاتا ہے وہ بھی اگر مومن کھنا چاہے ورنہ روزہ

فرض نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں جس مہینے کا چاند جب بھی جمعہ کے روز کا ہو گا اس دن ہم روزہ رکھتے ہیں۔

- زکوٰۃ کی بجائے ہم آمدنی میں روپیہ پر دو آنہ (دسوند) ہم فرض سمجھ کر جماعت خانے میں دیتے ہیں۔
- حج ہمارا حاضرامام کا دیدار ہے (وہ اس لئے کہ زمین پر خدا کا روپ صرف حاضرامام ہے)
- ہمارے پاس تو بولتا قرآن یعنی حاضرامام موجود ہے۔ مسلمانوں کے پاس تو خالی کتاب ہے۔
- ہمارے صبح و شام تک کے گناہ کبھی صاحب چھینٹا ڈال کر معاف کرتے ہیں ہم میں سے اگر کوئی آدمی روز جماعت خانہ جانے سکے تو جمعہ کے روز پیسے دے کر چھینٹا ڈالو اگر آپ شفا (یعنی گھٹ پاٹ) پی کر اپنے گناہ معاف کر سکتا ہے اور اگر کوئی جمعہ کے روز بھی جماعت خانہ نہ جاسکے تو مہینہ بھر کے گناہ چاند رات کو پیسے دے کر چھینٹا ڈالو اگر آپ شفا (گھٹ پاٹ) پی کر گناہ معاف کر سکتا ہے۔

● ہماری بندگی/عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ : — حاضرامام ہمیں ایک بول/اسم اعظم دیتے ہیں جس کے عوض ہم ۵، روپے ادا کرتے ہیں جس کی بندگی/عبادت ہم رات کے آخری حصے میں ادا کرتے ہیں۔ ۵ سال کی بندگی/عبادت معاف کرانے کے ہم ۵ سو روپے اور ۱۲ سال کی بندگی/عبادت معاف کرانے کے ۱۲ سو روپے اور لاکھ (پوری لاکھ) عمر کی بندگی معاف کرانے کے ۵ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔ نورانی: حاضرامام کے نور کو حاصل کرنے کے لئے ۵ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں جس سے ہمیں حاضرامام کا نور حاصل ہوتا ہے۔ فدا تین: قیامت کے روز حاضرامام سے ہم اپنے آپ کو بخشوانے (یعنی حاضرامام کے نور کے ساتھ اپنے نور کو ملائے جانے کا خرچہ بچیں ہزار روپیہ ہم جانتے میں دیتے ہیں۔ نافذی: ہم ناندی خیرات کو کہتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں بہترین قسم کے پکنے والے کھانے، عمدہ قسم کے کپڑے و زیورات ہم جماعت خانوں میں خیرات (ناندی) دیتے ہیں جماعت خانے والے اس ناندی کو نیلام کر کے اس کی رقم جماعت خانے میں جمع کر دیتے ہیں۔ آخری کلمہ: یا شاہکریہ الحیینی انت الامام الحاضر الموجد (موجود) اللہم لکے سجدی و طاعتی۔

نور: اس پیغام کی نقل سارے جماعت خانوں

کو روانہ کر دی گئی ہے، متوجہ رہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
ریلیجیئس (مذہبی) کمیٹی

حسب ذیل بھی مطالعہ فرمائیے

- ① المحکم الحقانی فی الحزب الاغاخانی
(حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانویؒ)
- ② آغاخانیت کیا ہے ؟
- ③ آغاخانیوں کے سیاسی عزائم
- ④ آغاخانیت علماء امت کی نظر میں
- ⑤ آغاخان فاؤنڈیشن، چترال
- ⑥ آغاخانیوں کے زیر زمین منصوبے
- ⑦ جماعت خانہ سے مسجد تک
- ⑧ آغاخانیت کی حقیقت
- ⑨ اسمعیلیہ اور عقیدہ امامت کا تعارف تاریخی نقطہ نظر سے

سوادِ اعظم اہلسنت کراچی